نقشِ

حیاتِ امام موسیٰؑ بن جعفرؑ

ولادت: ۷ر صفر ۱۲۸ھ

شہادت: ۲۵ر رجب ۱۸۳ھ

نقشِ زندگانی امام موسیٰ بن جعفر علیہ السلام

ماہ صفر ۱۲۸ھ کی ساتویں تاریخ تھی۔ امام جعفر صادقؑ مع اپنی اہلیہ محترمہ جناب حمیدہ خاتون حج بیت اللہ کے لیے تشریف لے گئے تھے اور واپسی میں مکہ و مدینہ کے درمیان مقام ابواء میں مقیم تھے کہ امام موسیٰ کاظمؑ کی ولادت باسعادت ہوئی جو اس امر کی واضح دلیل ہے کہ ائمہ طاہرینؑ ایسے اوقات میں بھی سفرِ حج کو نظرانداز نہیں فرماتے تھے جب گھر میں ولادت میں صرف دو مہینے باقی رہ گئے تھے اور سفر بھی اُس دور کا سفر تھا جب آج جیسے وسائل یقیناً فراہم نہیں تھے اور تقریباً ۵۰۰ کیلومیٹر کا فاصلہ اونٹوں کے ذریعہ طے کرنا ہوتا تھا اور یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ جس قدر اس سفر اور عمل کی اہمیت ائمہ طاہرینؑ کی نگاہ میں تھی اسی قدر ان کی ازواج مطہرات کی نگاہ میں بھی تھی ورنہ ان حالات کا لحاظ کرکے معذرت کرلیتیں اور سفر کو آئندہ سال کے لیے ملتوی کردیتیں جو دورِ حاضر کا عام طریقہ کار ہے۔

بلکہ یہیں سے یہ مسئلہ بھی حل ہوجاتا ہے کہ ازواج ائمہ معصومینؑ بھی حج بیت اللہ کے لیے جاتی تھیں یا نہیں اور اس فریضہ کا تعلق صرف مردوں سے ہے یا عورتوں سے بھی ہے۔ یقیناً حج ایک ایسی عبادت ہے جس میں تین طرح کی استطاعت کی شرط ہے۔ مالی استطاعت، بدنی استطاعت اور راستہ کی استطاعت۔ اگر بعض ازواج مطہرات کی زندگی میں حج کا تذکرہ نہیں ہے تو عین ممکن ہے کہ یہ ان کی عدم استطاعت کا نتیجہ ہو جس طرح کہ بے شمار مومنین مخلصین عدم استطاعت کی بنا پر اس سعادت سے محروم رہ جاتے ہیں اور اس کا کوئی تعلق مرد اور عورت کے فرائض کی تفریق سے نہیں ہوتا ہے ورنہ استطاعت اور وجوب کے بعد حج نہ کرنے کا کوئی سوال ہی نہیں پیدا ہوتا ہے۔

جناب حمیدہ کا بیان ہے کہ میرے فرزند نے ولادت کے بعد رُخ آسمان کی طرف کیا اور زبان پر کلمۂ شہادتین جاری کیا جو اس سے پہلے کے معصومینؑ کے آغاز حیات کا طریقۂ کار

رہا ہے اور آپ کے داہنے بازو پر یہ آیت کندہ تھی،

"تَمَّتْ كَلِمَةُ رَبِّكَ صِدْقًا وَّعَدْلًا"

آپ کا اسم گرامی موسیٰ قرار پایا اور مشہور لقب کاظم ہوا جس کے معنی غصہ کو پی جانے والے کے ہیں اور ہو سکتا ہے کہ اس لقب کی ایک مصلحت یہ بھی ہو کہ پیغمبرانِ اولوالعزم میں جس موسیٰؑ کا ذکر آتا ہے ان کی صفت قرآن مجید نے "غضبان" بیان کی ہے تو قدرت نے چاہا کہ ایک موسیٰ کاظمؑ بھی پیدا ہو جائے تاکہ دونوں طرح کے الٰہی کردار سامنے آجائیں اور تاریخ نبوتؑ و امامت سے یہ فرق بھی واضح ہو جائے کہ اگر قہر و جلال کا مرقع دیکھنا ہو تو نبی موسیٰؑ کو دیکھو اور اگر حلم و تحمل پروردگار کا نمونہ دیکھنا ہو تو امام موسیٰ کو دیکھو۔

نام موسیٰ میں ایک مصلحت الٰہی یہ بھی ہو سکتی ہے کہ آپ کے قاتل کا نام ہارون تھا۔ تو قدرت نے روز اول ہی واضح کر دینا چاہا کہ انسان ناموں کے فریب میں نہ آئے اور کردار پر مکمل نگاہ رکھے۔ ورنہ یہی ہارون ایک وقت میں موسیٰؑ کا ہمراز و دمساز، معاون و مددگار بھی ہو سکتا ہے اور دوسرے وقت میں ایک موسیٰ کا قاتل بھی ہو سکتا ہے۔ اصلی اور نقلی، حقیقی اور جعلی میں یہی واقعی فرق ہے اور شاید یہی راز تھا کہ جناب موسیٰؑ نے جناب ہارون کے وزیر بنانے کی درخواست پروردگار سے کی تھی کہ پروردگار ہارون کو وزیر بنائے گا تو وہ ہارون صاحب ایمان اور نیک کردار ہوگا اور انسان کسی ہارون کو بادشاہ اور خلیفہ بھی بنا دے گا تو وہ نالائق اور نا اہل ہی رہے گا۔ حقیر نے ایک موقع پر اس مضمون کو اس طرح نظم کیا تھا:

دنیا کا امن لوٹ کے مامون بن گئے — دولت سمیٹی اتنی کہ قارون بن گئے
ان بندگانِ زر کی سیاست تو دیکھیے — موسیٰؑ کو زہر دے کے بھی ہارون بن گئے

آپ کے دوسرے القاب میں عبدِ صالح، صابر، امین اور باب الحوائج وغیرہ زیادہ شہرت رکھتے ہیں۔ کنیت ابوالحسن الاول، ابو ابراہیم، ابوالحسن الماضی، ابو علی، ابو اسماعیل وغیرہ۔

باب الحوائج کی تفسیر یوں بیان کی جاتی ہے کہ آپ کے روضۂ مبارک سے برابر آج تک معجزات اور کرامات کا ظہور ہو رہا ہے اور بعض اہلِ قلم نے تو ان واقعات کو جمع کر کے مکمل کتابیں بھی تالیف کر دی ہیں اور عینی مشاہدین کے بیان کے مطابق ان کرامات کو جمع کیا ہے اور حقیقت امر یہ ہے کہ

بغداد میں ان خوں ریز واقعات کے بعد جن میں دجلہ کا پانی کئی دن تک رنگین رہا۔ مذہب تشیع کا باقی رہ جانا بھی امام موسیٰ بن جعفرؑ کی ایک زندہ کرامت ہے جس سے کسی قیمت پر انکار نہیں کیا جا سکتا ہے۔ مصائب تو آپ کی زندگی میں بھی آتے ہی رہے لیکن جس طرح کل کے مصائب سے سلسلۂ امامت نہیں منقطع ہو سکا تھا اسی طرح بعد کے مصائب سے سلسلہ مذہب اہلبیتؑ پر کوئی اثر نہیں پڑ سکا اور امام شافعی کا یہ ارشاد صحیح ثابت ہوا کہ قبر موسیٰ کاظمؑ ایک تریاق مجرب ہے۔

آپ کی ولادت مروان الحمار کے دور حکومت ۱۲۸ھ میں ہوئی۔ تین سال کے بعد اس کی آبائی حکومت کا خاتمہ ہو گیا اور بنی عباس کا پہلا بادشاہ سفاح تخت نشین ہوا۔ ۱۳۲ھ سے ۱۳۶ھ تک اس کا دور حکومت رہا۔ ۱۳۶ھ میں منصور دوانیقی حاکم بنا جس نے ۱۴۸ھ میں امام جعفر صادقؑ کو زہر دغا سے شہید کرا دیا اور ۲۰ سال کی عمر سے امام موسیٰ کاظمؑ کا دور قیادت شروع ہوا۔ ۱۵۸ھ میں منصور کی جگہ پر مہدی عباسی آیا جس نے دس سال حکومت کی اور ۱۶۹ھ میں اس کی جگہ ہادی کو ملی جو ایک سال سے زیادہ نہ چل سکا اور پھر ۱۷۰ھ میں ہارون تخت نشین ہو گیا۔ جس نے ۱۸۳ھ میں امام موسیٰ کاظمؑ کو زہر دے کر شہید کرا دیا جس وقت آپ کی عمر مبارک ۵۵ سال کی تھی جس میں سے ۲۰ سال والد بزرگوار کے زیر سایہ گزرے اور ۳۵ سال اپنے دور میں قیادت امت کے ذمہ دار رہے۔

● آپ کے بچپن کے کمالات میں ایک واقعہ یہ ملتا ہے کہ صفوان جمال نے آپ کو گھر سے اس عالم میں نکلتے دیکھا کہ ہاتھ میں بکری کے بچے کے کان تھے اور اس سے سجدۂ رب کا تقاضا کر رہے تھے اور گویا صفوان کو متوجہ کر رہے تھے کہ ہم اہلبیتؑ کی شان یہ ہے کہ جانور بھی ہماری طرف منسوب ہو جاتے ہیں تو ہم ان سے سجدۂ رب کا تقاضا کرتے ہیں اور اس کے بغیر اپنا بنانا گوارا نہیں کرتے ہیں۔ صفوان نے عرض کی کہ اگر آپ اس سے سجدہ کرا سکتے ہیں تو اسے مرنے کا حکم بھی دے سکتے ہیں! آپ نے فرمایا کہ صفوان موت و حیات خدا کے اختیار میں ہے۔ ہم اس کے بارے میں کچھ نہیں کہہ سکتے ہیں۔ گویا آپ نے یہ بھی واضح کر دیا کہ انسان کو اپنے فرائض کی فکر کرنی چاہیے۔ امور خداوندی میں دخل اندازی شان عبدیت کے خلاف ہے اور اس سے انسان کسی وقت بھی مورد عتاب ہو سکتا ہے۔ یہ واقعہ آپ کی تین برس کی عمر کا ہے۔ (بحار)

● عمر مبارک پانچ برس تھی جب ابو حنیفہ امام جعفر صادقؑ سے مسئلہ جبر و اختیار پر بحث کرنے کے

لیے آئے تو آپ نے والد بزرگوار سے پہلے مہمان کا استقبال کرتے ہوئے فرمایا کہ اس مسئلہ کی تین صورتیں ہیں کہ یا تو عمل بندوں کے اختیار سے ہوتا ہے یا خدائی جبر سے وقوع پذیر ہوتا ہے یا دونوں کی شرکت رہتی ہے۔ اگر عمل بندوں کے اختیار سے ہوتا ہے تو یہ آپ کے نظریہ کے خلاف ہے، اور اگر خدائی جبر یا شرکت سے ہوتا ہے تو قانونی طور پر اسے عذاب کا بھی ذمہ دار یا شریک ہونا چاہیے لیکن ایسا نہیں ہے تو اس کا کھلا ہوا مطلب یہ ہے کہ بندہ خود اپنے اعمال کا ذمہ دار ہے اور خدا پر ان اعمال کی کوئی ذمہ داری نہیں ہے۔ (بحار۔ امالی سید مرتضیٰ)

حقیقت امر یہ ہے کہ عقیدہ جبر جابر سلاطین کی ایک ایجاد ہے جو ایسے عقائد کے ذریعہ اپنے جرائم کی پردہ پوشی کرنا چاہتے تھے اور ان کا مقصد یہ تھا کہ عوام ہمیں مجبور محض سمجھ کر ہم سے ہمارے جرائم کا محاسبہ نہ کریں ورنہ ہمارا زندہ رہنا مشکل ہو جائے گا۔

حضرت ابوحنیفہ اس واقعہ سے بے حد متاثر ہوئے اور انھیں اپنی توہین کا احساس ہو گیا اور اس کے انتقام کی فکر میں لگ گئے۔ چنانچہ ایک مرتبہ امام موسیٰ کاظم کو اسی زمانہ میں ایسی جگہ نماز پڑھتے دیکھ لیا جہاں سامنے سے لوگ گذر رہے تھے تو فوراً امام جعفر صادقؑ سے شکایت کر دی۔ آپ نے فرزند سے شکایت کو بیان کر کے جواب کا مطالبہ کیا۔ امام کاظمؑ نے عرض کی کہ میرا خدا رگِ گردن سے زیادہ قریب ہے۔ لہٰذا راہ گیر میرے اور اس کے درمیان حائل نہیں ہو سکتے ہیں۔ (مناقب)

یہ جواب درحقیقت اس امر کی طرف اشارہ تھا کہ جب انسان کا ذہن جلال و جمال پر مرکوز نہیں ہوتا ہے اور توجہ کے ہٹ جانے کا خطرہ ہوتا ہے تو ایسے مقامات پر نماز کا پڑھنا مکروہ ہو سکتا ہے لیکن اگر خدا رگ گردن سے زیادہ قریب تر ہو جائے اور نگاہ میں جلوۂ ربوبیت کے علاوہ کوئی جلوہ نہ سما سکے تو ایسی نماز میں کوئی کمزوری نہیں ہے اور یہی امت اور امامت کی عبادتوں کا نمایاں فرق ہے۔

● دوسرے موقع پر ابوحنیفہ امام صادقؑ سے ملنے کے لیے آئے اور اس فرزند کو دیکھ لیا تو علمی طور پر شکست دینے کے لیے ایک عجیب و غریب قسم کا سوال کر لیا کہ اگر کوئی مسافر آپ کے شہر میں آ جائے تو قضائے حاجت کے لیے کہاں جائے؟ فرمایا کہ مکان کی دیواروں کی پشت

کا سہارا لے، ہمسایہ کی نگاہوں سے اپنے کو بچائے۔ نہروں کے کنارے سے پرہیز کرے۔ جن مقامات پر درختوں کے پھل گرتے ہیں وہاں نہ بیٹھے۔ مکانوں کے صحن سے الگ، شاہراہوں اور راستوں سے الگ، مسجدوں کو چھوڑ کر، قبلہ کے استقبال اور استدبار سے بچ کر اور اپنے کپڑوں کو سنبھال کر جہاں چاہے بیٹھ سکتا ہے۔ ابوحنیفہ یہ سن کر مبہوت ہو گئے اور ان کے ساتھی عبداللہ بن مسلم نے کہا کہ میں نے نہ کہا تھا کہ خاندان رسالت کے بچے بھی عام بچوں سے بالکل مختلف ہوتے ہیں۔ (بحار۔ مناقب)

● اسی دور کمسنی میں امام صادقؑ نے چاہا کہ لوگوں کے سامنے اپنے فرزند کے کمالات کو نمایاں کر دیں تو آپ نے ایک مرتبہ فرمایا بیٹا! ذرا اس مصرع پر مصرع تو لگاؤ،

تَنَحَّ عَنِ الْقَبِيحِ وَلَا تُرِدْهُ

آپ نے عرض کی: وَمَنْ اَوْلَيْتَهُ حَسَنًا فَزِدْهُ

پھر آپ نے فرمایا کہ: سَتَلْقَىٰ مِنْ عَدُوِّكَ كُلَّ كَيْدٍ

عرض کی: اِذَا كَادَ الْعَدُوُّ فَلَا تَكِدْهُ

حقیر نے ان مصرعوں کا ترجمہ اس طرح کیا ہے:

امام صادقؑ — بُرائیوں کا نہ ہرگز کبھی ارادہ کرو۔
امام کاظمؑ — کرو جو خیر تو کچھ اور بھی زیادہ کرو۔
امام صادقؑ — یہ مانا دیکھو گے تم دشمنوں کے مکر و فریب۔
امام کاظمؑ — نہ اختیار مگر تم کبھی یہ جادہ کرو۔

● ۱۴۸ھ میں امام صادقؑ کی شہادت سے آپ کے دور قیادت و مصیبت کا آغاز ہوتا ہے۔ امام صادق علیہ السلام کو معلوم تھا کہ مجھے زہر دینے والا منصور میری اولاد کے ساتھ کیا برتاؤ کرے گا۔ چنانچہ آپ نے اپنے اموال کے بارے میں ایک وصیت نامہ تیار کیا جس میں پانچ افراد کو ذمہ دار قرار دیا: (۱) منصور دوانیقی (۲) سلیمان حاکم مدینہ (۳) عبداللہ افطح فرزند امام صادقؑ (۴) امام موسیٰ کاظمؑ اور (۵) جناب حمیدہ۔

امامؑ کی شہادت کے بعد منصور نے حاکم مدینہ کو خط لکھا کہ ان کے وصی کو گرفتار کر کے قتل

کر دو۔ اس نے وصی کی تحقیق کی تو معلوم ہوا کہ وصیت نامہ میں اس کا اور منصور کا نام بھی ہے تو اس نے معذرت کر لی اور امام کی سیاست الٰہیہ کا پہلا مرقع منظر عام پر آ گیا۔

● اس کے بعد مہدی عباسی نے بہ ارادۂ قتل آپ کو مدینہ سے طلب کیا تو راستہ میں منزل زبالہ پر ابو خالد سے ملاقات ہوئی۔ انھوں نے گرفتاری کا منظر دیکھ کر اظہار افسوس کیا۔ آپ نے فرمایا کہ میں فلاں تاریخ کو واپس آؤں گا۔ چنانچہ جب حمید بن قحطبہ کو قتل پر مامور کیا گیا تو مہدی نے جناب امیرؑ کو خواب میں دیکھا کہ اسے قتل کر دینا چاہتے ہیں اور اس نے بیدار ہو کر فوراً حمید کو قتل سے روک دیا اور آپ حسب وعدہ مقررہ تاریخ پر زبالہ واپس پہونچ گئے اور فرمایا کہ ابو خالد اس کے بعد جب دوبارہ گرفتار کیا جاؤں گا تو واپسی کا کوئی امکان نہ ہوگا اور میری قبر بغداد ہی میں بنے گی۔ اسی مہدی بن منصور نے بطور ردّ مظالم فدک کی واپسی کا ارادہ کیا تھا، تو آپ نے پورے ملک اسلامی کے حدود بیان کر دیئے تھے کہ فدک باغ نہیں ہے یہ اسلامی حکومت کا استعارہ ہے۔ چنانچہ اس نے اپنی رائے بدل دی کہ ظالم کرسی نہیں چھوڑ سکتے ہیں بلکہ دین و دنیا سب کچھ چھوڑ سکتے ہیں۔

ہارون رشید اگرچہ علم دوست مشہور ہو گیا ہے لیکن انتہائی عیاش اور دشمن سادات تھا۔ عیاشی کا یہ عالم تھا کہ خود اپنے باپ کی مدخولہ کنیز سے جماع کیا اور ابو یوسف نے یہ فتویٰ بھی دے دیا کہ اگر وہ اپنے کو مدخولہ کہتی ہے تو اس کے بیان کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔

دوسری کنیز سے خریدنے کے بعد فوراً جماع کرنا چاہا تو کسی نے اعتراض کر دیا کہ شریعت پیغمبرؐ میں ایک حیض تک انتظار کرنا ضروری ہے۔ اس نے امام ابو یوسف کو ایک لاکھ درہم دے کر یہ فتویٰ حاصل کر لیا کہ یہ قانون خریداری کا ہے۔ آپ اپنے فرزند کو ہبہ کر کے پھر دوبارہ اس سے ہبہ کرا لیں۔ ہبہ میں انتظار کی ضرورت نہیں ہے اور اس طرح ابو یوسف کو دولت کی لذت مل گئی اور ہارون کو عورت کی لذت حاصل ہو گئی اور شریعت پیغمبرؐ آنسو بہاتی رہ گئی۔

سادات کشی کا یہ عالم تھا کہ ۱۷۶ھ میں نفس زکیہ کے بھائی عبداللہ کو زندہ دیوار میں چنوا دیا۔ قبر حسینؑ پر جو بیری کا درخت تھا اسے کٹوا دیا جس کے بارے میں رسول اکرمؐ نے فرمایا تھا کہ خدا بیری کا درخت کاٹنے والے پر لعنت کرے۔ (جلاء العیون)

● طوس میں حمید بن قحطبہ طوسی کو قتل سادات کا حکم دے دیا اور اس نے ایک وقت میں ساٹھ

سادات کو تہ تیغ کر دیا۔

● ۱۷۹ھ میں حج بیت اللہ کے بہانے مکہ و مدینہ کا سفر کیا اور دو مرتبہ امام کو قتل کرنے کے بہانے تلاش کیے لیکن ناکام ہو گیا۔ ایک مرتبہ حضرت سے فرزند رسولؐ ہونے کی دلیل کا مطالبہ کیا جب کہ عام طور پر اولاد بیٹوں کے ذریعہ چلا کرتی ہے تو آپ نے ایک طرف جناب عیسیٰ کے ذریت ابراہیم میں ہونے کا حوالہ دیا اور دوسری طرف آیت مباہلہ کی تلاوت کی اور ہارون قتل کا بہانہ نہ تلاش کر سکا۔

● دوسری مرتبہ مدینہ میں قبر پیغمبرؐ کو یا بن العم کہہ کر سلام کیا تو امام نے یا ابتہ کہہ کر سلام کر دیا جس پر حکومت سے مقابلہ کرنے کے جرم میں گرفتار کر کے بغداد لے آیا لیکن خواب میں جناب امیرؑ کو غضب ناک شکل میں دیکھ کر آزاد کر کے مدینہ واپس کر دیا اور قتل نہ کر سکا۔

ان تدبیروں سے عاجز آ کر قید خانہ میں ایک حسین و جمیل عورت کو بھیج دیا تاکہ زنا کا الزام لگا کر قتل کرا سکے لیکن جب نگراں افراد نے قید خانہ کا جائزہ لیا تو عورت کو سجدہ میں پایا اور پھر اس نے بیان کیا کہ میں یہاں آئی تو میں نے دیکھا کہ یہ محو مناجات ہیں اور اُدھر سے لبیک کی آوازیں آ رہی ہیں تو میں نے سوچا کہ عبادت کا اس سے بہتر موقع نہیں ہو سکتا ہے چنانچہ اب مجھے صرف سجدہ ہی میں لطف آتا ہے۔ (مناقب)

● اپنی زندگی کے تحفظ کے ساتھ امام علیہ السلام حتی الامکان دوستوں کی زندگی کا بھی تحفظ کرتے رہے۔ چنانچہ اسی پروگرام کے تحت اپنے ایک مخلص علی بن یقطین کو ہارون کا وزیر بنوا دیا اور جب انھوں نے خلعت شاہی امامؑ کی خدمت میں بطور تحفہ بھیجا تو اسے واپس کر دیا اور فرمایا کہ تمھیں اس کی ضرورت پڑ سکتی ہے اور یہی ہوا کہ جب لوگوں نے ہارون سے شکایت کی کہ یہ سارا سامان امام موسیٰ کاظم کو بھیج دیتے ہیں تو اس نے فوراً تلاشی لی اور خلعت مل گیا تو علی بن یقطین کو انعام دیا اور شکایت کرنے والے کو ہزار کوڑوں کی سزا دی جس میں پانچ سو کوڑوں ہی میں وہ واصل جہنم ہو گیا۔ (نور الابصار)

● دوسرے موقع پر علی بن یقطین نے پیروں کے مسح کے بارے میں سوال کیا کہ اوپر سے نیچے ہو یا نیچے سے اوپر ہو۔ تو آپ نے پورا اہلسنت کا طریقۂ وضو لکھ کر بھیج دیا اور ابن یقطین نے اسی طرح وضو شروع کر دیا یہاں تک کہ لوگوں نے پھر ہارون سے شکایت کی کہ یہ شیعہ ہیں اور

اس نے چھپ کر ابن یقطین کا وضو دیکھا تو انھیں انعام دیا اور دشمنوں کو سخت سزا کا حکم دے دیا۔ جس کے دو روز کے بعد حضرت کا حکم آیا کہ تقیہ کا وقت ختم ہو چکا ہے۔ اب اسی طرح وضو کرو جس طرح واقعاً امر خداوندی ہے۔ (مناقب)

ہارون تمام تدبیروں سے عاجز ہو گیا تو اپنے وزیر یحییٰ برمکی کے مشورہ سے محمد بن اسماعیل کو مدینہ سے بغداد طلب کیا کہ ان کے ذریعہ امام کے قتل کا انتظام کرے۔ محمد امام سے اس لیے بدظن تھے کہ ان کے والد اسماعیل کی امامت نہیں چل سکی تھی چنانچہ مدینہ سے رخصت ہوتے وقت امام سے ملنے کے لیے آئے تو آپ نے چار سو دینار اور ۱۵۰۰ درہم دے کر فرمایا کہ میں تمہارے قرضہ کو ادا کر سکتا ہوں اور تمہاری کفالت کر سکتا ہوں۔ بغداد جانے کی ضرورت نہیں ہے لیکن اگر جاتے ہو تو خبردار! میرے خون سے اپنے ہاتھوں کو رنگین نہ کرنا۔ لیکن اس کے بعد بھی محمد نے بغداد پہونچ کر ہارون سے شکایت کی کہ مدینہ میں موسیٰ کاظمؑ کی حکومت چل رہی ہے اور ایک نیام میں دو تلواریں نہیں ہو سکتیں۔ جس پر ہارون نے محمد کو دو لاکھ درہم بطور انعام دیے اور انھیں رخصت کر دیا لیکن قدرت کا یہ انتظام اور انتقام تھا کہ محمد دوسرے ہی دن دنیا سے چل بسے اور وہ دینار کام نہ آسکے بلکہ اس کے برخلاف آتشِ جہنم کا انتظام ہو گیا۔

ہارون ان خبروں سے اس قدر متاثر ہوا کہ فوراً حج کا ارادہ کر لیا اور مدینہ پہونچ کر حضرت کو ۲۰ شوال ۱۷۹ھ کو عین حالت نماز میں گرفتار کرا لیا اور گھر والوں سے رخصت بھی نہ ہونے دیا اور بصرہ روانہ کر دیا۔ ایک ماہ ۱۷ روز کے طویل سفر کے بعد ۷ ذی الحجہ کو حضرت بصرہ پہونچے اور آپ کو وہاں قید کر دیا گیا اور ایک سال قید میں رکھا گیا۔ امیر بصرہ ہارون کا چچا زاد بھائی عیسیٰ بن جعفر تھا اس نے سفارش لکھی کہ یہ بندۂ خدا صرف عبادت میں مصروف رہتا ہے اسے آزاد کر دے تو اس نے امامؑ کو بغداد طلب کر کے فضل بن ربیع کے قید خانہ میں رکھ دیا۔ وہاں فضل بھی حضرت کے کردار سے متاثر ہو گیا تو سندی بن شاہک ملعون کو نگراں بنا دیا اور اس نے زہر سے حضرت کی زندگی کا خاتمہ کر دیا۔ اس حالت میں کہ آپ طوق و سلاسل میں جکڑے ہوئے تھے اور اس کے بعد جنازہ بھی حمالوں کے حوالے کر دیا۔ لیکن جسر بغداد پر سلیمان نے تعرض کیا اور جنازہ کو احترام سے دفن کرا دیا۔ امام علی رضاؑ نے باعجاز مدینہ سے بغداد آ کر امامؑ کی تجہیز و تکفین کے فرائض انجام دیے۔ امامؑ کی شہادت ۲۵ رجب ۱۸۳ھ

کو واقع ہوئی ہے۔ اور آپ کو بغداد میں دفن کیا گیا ہے جسے دور حاضر میں کاظمین کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

ازواج واولاد

آپ کی اولاد کی تعداد کے بارے میں علماء کرام کے درمیان اختلافات پائے جاتے ہیں۔
ابن شہر آشوب نے ان کی کل تعداد تیس بتائی ہے۔
صاحب عمدۃ الطالب نے اسے بڑھا کر ساٹھ بنا دیا ہے جن میں ۳۷ لڑکیاں ہیں اور ۲۳ لڑکے۔
شیخ مفید کا ارشاد ہے کہ ان کی کل تعداد ۳۷ ہے۔ ۱۸ فرزند اور ۱۹ لڑکیاں۔ ان سب کے اسمار گرامی یہ ہیں:

حضرت علی بن موسیٰ الرضاؑ، ابراہیم، عباس، قاسم، اسماعیل، جعفر، ہارون، حسن، احمد، محمد، حمزہ، عبداللہ، اسحاق، عبیداللہ، زید، حسین، فضل، سلیمان، فاطمہ کبریٰ، فاطمہ صغریٰ، رقیہ، حلیمہ، ام ابیہا، رقیہ صغریٰ، کلثوم، ام جعفر، لبابہ، زینب، خدیجہ، آمنہ، حسنہ، بریہہ، عباسہ، ام سلمہ، میمونہ، ام کلثوم۔

آپ کی نسل مبارک کا سلسلہ تیرہ اولاد سے جاری ہوا ہے جن میں چار کی اولاد سب سے زیادہ ہے۔ امام علی رضاؑ، ابراہیم، محمد عابد، جعفر۔ آپ کے چار بیٹے ایسے ہیں کہ جن کی اولاد نہ بہت زیادہ اور نہ بہت کم ہے۔ زید النار، عبداللہ، عبیداللہ، حمزہ (احسن المقال جلد ۲ صفحہ ۱۳۰ سطر ۱)
پانچ فرزندوں کی اولاد قدرے کم تھی۔ عباس، ہٰرون، اسحاق، حسین، حسن۔

واضح رہے کہ سید شریف رضیؒ جنھوں نے مولائے کائنات کا کلام نہج البلاغہ کی شکل میں جمع کیا ہے اور سید شریف مرتضیٰ جو علم الہدیٰ کے نام سے یاد کیے جاتے ہیں اور اپنے دور کے بہترین متکلم اور مناظر تھے۔ یہ دونوں حضرات بھی امام موسیٰ کاظمؑ ہی کی اولاد میں ہیں اور ان کی قبریں بھی کاظمین ہی میں ہیں۔

شیراز میں حضرت شاہ چراغ سید احمدؒ جن کا مزار مرجع خلائق بنا ہوا ہے اور لوگ برابر زیارت کے لیے آتے ہیں اور اپنی مرادیں حاصل کرتے ہیں یہ بھی امام موسیٰ کاظمؑ ہی کی اولاد میں ہیں جو حضرت کی نگاہ میں سب سے عزیز اور محبوب تھے اور جنھوں نے راہِ خدا میں ایک ہزار غلام آزاد کیے تھے۔ ان کی

قبر مخفی تھی لیکن بادشاہ وقت تلاش میں نکلا تو ایک روشنی دکھائی دی جس کو دیکھ کر لوگوں نے توجہ دلائی کہ "شاہ! چراغ" نظر آرہا ہے شاید کوئی آبادی ہے جس کی بنا پر ان کا لقب شاہ چراغ ہوگیا۔ انھیں کے روضہ کے قریب ان کے ایک بھائی سید محمد کا روضہ بھی ہے جنھیں کثرت عبادت کی بنا پر سید محمد عابد کہا جاتا تھا۔

تہران میں شاہ عبدالعظیم کے روضہ کے برابر جناب حمزہ کا روضہ ہے جن کی زیارت خود حضرت شاہ عبدالعظیم بھی اپنے دورِ حیات میں کیا کرتے تھے اور وہ بھی امام موسیٰ کاظمؑ کے ایک فرزند تھے اور نہایت درجہ صاحب کرامت تھے۔

آپ کی صاحبزادیوں میں جناب فاطمہ کا مرتبہ نہایت درجہ بلند ہے جنھیں معصومۂ قم کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ ۲۰۰ھ میں مامون نے امام رضاؑ کو مدینہ سے مرو طلب کر لیا تو ایک سال کے بعد آپ بھائی کی زیارت کے اشتیاق میں مدینہ سے روانہ ہوگئیں، راستہ میں بیمار ہوئیں حضرات قم آپ کو قم لے آئے۔ موسیٰ بن خزرج کے مکان میں قیام فرمایا اور تکان سفر یا فراق برادر کے صدمہ سے ۱۷ روز کے بعد دنیا سے انتقال فرما گئیں۔ اشراف قم نے نہایت ہی عزت و احترام کے ساتھ تجہیز و تکفین کا انتظام کیا اور ارض بابلون پر سپرد خاک کر دیا جہاں آج آپ کا روضۂ مبارکہ پایا جاتا ہے۔

صاحب تاریخ قم نے تجہیز و تکفین کے سلسلہ میں یہ روایت بھی نقل کی ہے کہ جب جنازہ تیار ہوگیا تو مسئلہ یہ پیدا ہوا کہ سرداب میں کون اتارے گا؟ تو ایک بزرگ کا انتخاب کیا گیا اور انھیں طلب کیا گیا۔ لیکن ان کے آنے کے بعد دیکھا گیا کہ ریگستان کی طرف سے دو سوار آرہے ہیں جنھوں نے جنازہ کے قریب پہونچ کر سواری سے اُتر کر نماز جنازہ ادا کی اور اس کے بعد سرداب میں جنازہ کو سپرد خاک کر کے فوراً چلے گئے اور کسی کو نہ معلوم ہو سکا کہ کون افراد تھے۔ اس کے بعد موسیٰ بن خزرج نے قبر مطہر پر ایک سائبان بنا دیا اور اس کے بعد زینب بنت امام جوادؑ نے قبّہ کی تعمیر کرائی جو آج انتہائی ترقی یافتہ شکل میں پایا جا رہا ہے اور مرجع خاص و عام بنا ہوا ہے۔

ا۔ امام موسیٰ بن جعفرؑ کی اولاد کے برکات و خیرات کا تذکرہ کرتے ہوئے اس حقیقت کا اظہار بھی نامناسب نہ ہوگا کہ ہمارے دور کے دو عظیم اعاظم علماء جو علم و معرفت اور جہاد و سیاست کے میدان میں تاریخ اسلام میں بے مثل و بے نظیر ہیں یعنی آیۃ اللہ العظمیٰ السید ابوالقاسم الخوئیؒ اور

رہبر انقلاب اسلامی آیۃ اللہ العظمیٰ روح اللہ الخمینی یہ دونوں حضرات بھی امام موسیٰ کاظمؑ ہی کی اولاد میں ہیں اور ان حضرات کا وجود امامؑ کی زندگی کے دونوں پہلوؤں کی ترجمانی کر رہا ہے کہ اگر آپ کے علمی خدمات کو دیکھنا ہے تو ان کے ایک فرزند کو دیکھو، اور اگر ان کے جہاد راہ خدا کا اندازہ کرنا ہے تو ان کے دوسرے فرزند کے جہاد کو دیکھو جس نے انتہائی پریشانی اور غریب الوطنی کے عالم میں وہ کار نمایاں انجام دیا ہے جس سے قیدخانۂ بغداد میں اپنے جد بزرگوار کے مجاہدہ کی یاد تازہ کرادی جہاں دو سطروں کے خط سے قصر ہارون کی چولیں ہلا دیں کہ "اے ہارون! ہر جانے والا دن ایک دن تیری راحت میں کم کرتا ہے اور ایک دن میری مصیبت میں۔ اس کے بعد ہم دونوں بارگاہ الٰہی میں حاضر ہونے والے ہیں جہاں اپنے اپنے حسابات کو دیکھنے والے ہیں۔

شواہد امامت امام موسیٰ بن جعفرؑ

۱۔مفضل بن عمر الجعفی

ایک معتبر ترین بزرگ ہیں۔ آپ نے امام صادقؑ سے دریافت کیا کہ آپ کے بعد کا امام کون ہے جس کی امامت کا اعتراف کیا جائے اور اس کی اطاعت کی جائے؟ تو آپ نے فرمایا کہ میرا فرزند موسیٰ۔ (بحار ج ۱۱ ص ۲۳۴)

۲۔یزید بن سلیط

ایک صاحب ورع و علم بزرگ ہیں۔ حج بیت اللہ کو جاتے ہوئے راستہ میں امام صادقؑ سے ملاقات ہوگئی تو عرض کیا کہ "میرے ماں باپ آپ پر قربان۔ آپ حضرات ائمہ اطہار ہیں لیکن موت سے کوئی مستثنیٰ نہیں ہے۔ تو اگر یہ حادثہ پیش آگیا تو آپ کے بعد ذمہ دار دین کون ہوگا؟"

آپ نے اپنے فرزند موسیٰ کی طرف اشارہ فرمایا کہ اس کے پاس علم، حکمت، فہم، سخاوت، معرفت احکام، حسن اخلاق، حسن جوار جیسے تمام فضائل موجود ہیں۔ یہ ایک دروازۂ رحمت ہے اور اس کے پاس ان سب سے ماوراء ایک فضیلت اور بھی ہے۔!

راوی نے عرض کی کہ وہ کیا ہے؟

فرمایا کہ اللہ اس کی نسل سے اس شخص کو پیدا کرے گا جو اس امت کا مددگار، فریادرس، اس کی ہدایت کا پرچم، نورِ مجسم اور بہترین انسان ہوگا۔ اس کے ذریعہ اللہ زندگیوں کا تحفظ کرے گا، اختلافات کی اصلاح کرے گا، پراگندگی اور انتشار کو دور کرے گا۔ برہنہ کو لباس اور بھوکے کو غذا، خوف زدہ کو امن حاصل ہوگا، بارانِ رحمت کا نزول ہوگا۔ وہ بہترین فرزند اور بہترین بزرگ ہوگا۔ اس کا قول قولِ فیصل اور اس کی خاموشی علم و حکمت ہوگی۔ (بحار ج ۱۱ ص ۲۳۴)

۳۔داؤد بن کثیر

عرض کرتے ہیں کہ فرزندِ رسولؐ۔ آپ سے پہلے تمام لوگ دنیا سے جا چکے ہیں اور اب اگر یہ حادثہ پیش آگیا تو کس کی طرف رجوع کیا جائے گا؟۔ فرمایا میرا فرزند موسیٰؑ۔

۴۔فیض بن المختار

امام صادقؑ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور امام موسیٰؑ کے بارے میں باتیں کرنے لگے کہ اتنے میں آپ بیت الشرف سے واپس ہوئے اور امام صادقؑ نے فرمایا کہ فیض! یہی وہ ہے جس کے بارے میں تم سوال کر رہے تھے، اٹھو اور اس کے حق کا اقرار کرو۔ فیض نے امامؑ کے دست اقدس اور پیشانی پر بوسہ دیا اور پھر سوال کیا کہ مولا کیا اس کی اطلاع دوسروں کو دی جا سکتی ہے؟۔ فرمایا بےشک اپنے اہل و عیال اور رفقاء کو باخبر کر دینا لیکن یہ خبر عام نہ ہونے پائے کہ زمانہ انتہائی خطرناک خراب ہے اور حکومت وقت ہر وقت حجت خدا کی زندگی کے درپے ہے۔ (بحار ج ۱۱ ص ۲۳۴) اصول کافی

۵۔ابراہیم کرخی

امام صادقؑ کی خدمت میں حاضر تھے کہ امام موسیٰ بن جعفرؑ تشریف لے آئے، ابراہیمؒ نے تعظیم کی۔ آپ نے فرمایا کہ ابراہیم! میرے بعد تمہارا امام یہی ہے۔ اس کے بارے میں ایک قوم ہلاک ہو جائے گی اور ایک نیک بخت ہوگی۔ خدا اس کے قاتل پر لعنت کرے اور اس کے عذاب کو دوچند کرے۔ اس کے صلب سے بہترین اہل زمانہ پیدا ہوگا جو دنیا سے ظلم اور ظالمین کا خاتمہ کرے گا۔ . . . اس کی نسل سے وہ بارہواں امام ہوگا جس کا اقرار کرنے والا رسول اکرمؐ کے ساتھ جہاد کرنے والے کے برابر ہوگا۔

گفتگو یہاں تک پہونچی تھی کہ کوئی اجنبی شخص آگیا اور امام خاموش ہو گئے یہاں تک کہ ابراہیم چلے گئے اور دل میں گفتگو کے نامکمل رہ جانے کا صدمہ رہ گیا۔ دوسرے سال پھر حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے فرمایا کہ وہ انتہائی تنگی اور دشواری اور جزع و خوف کے بعد شیعوں کے حالات کی اصلاح کرے گا اور ان کے رنج و الم کو دور کرے گا۔ خوش قسمت ہے وہ شخص جو اس کی خدمت میں حاضری دے۔ ابراہیم یہ سن کر بے حد خوش ہوئے کہ امام کی گفتگو مکمل ہو گئی۔ (بحار ۱۱ ص ۲۳۵)

۶۔عیسیٰ العلوی

امام صادقؑ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی کہ اگر خدانخواستہ کوئی حادثہ پیش آگیا تو آپ

کے بعد امام کون ہوگا؟۔ فرمایا میرا فرزند موسیٰ! عرض کی کہ اس کے بعد؟۔ فرمایا، اس کا فرزند! عرض کی اگر اس کے وارثوں میں ایک بھائی اور ایک فرزند ہو تو وارث کون ہوگا؟ فرمایا اس کا فرزند!۔ عرض کی کہ اگر میں اسے نہ پہچان سکوں؟ فرمایا بس اسی قدر ایمان رکھو کہ پروردگار! جو اس کے بعد تیری حجت ہے وہی میرا امام ہے۔ (اصول کافی ج ا ص ۳۰۹۔ بحار ج ۱۱ ص ۲۳۵)

۷۔ معاذ بن کثیر

امام صادقؑ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی کہ میں پروردگار سے دعا کرتا ہوں کہ جس طرح اپنے پدر بزرگوار کی جگہ آپ کو یہ مرتبہ دیا ہے۔ آپ کی اولاد میں بھی ایسا صاحب مرتبہ پیدا کرے۔ فرمایا کہ اللہ اسے پیدا کر چکا ہے اور یہ کہہ کر اپنے فرزند موسیٰ کی طرف اشارہ کیا جو اس وقت آرام فرما رہے تھے۔ (اصول کافی ج ۱ ص ۳۰۸)

۸۔ منصور بن حازم

امامؑ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ عرض کی کہ کسی کی زندگی کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔ اگر کوئی حادثہ پیش آگیا تو آپ کے بعد امام کون ہوگا؟ فرمایا یہ میرا فرزند موسیٰؑ! (جن کی عمر اس وقت صرف پانچ سال کی تھی)۔ (اصول کافی ج ۱ ص ۳۰۹

۹۔ سلیمان بن خالد

ایک جماعت کے ساتھ امام صادقؑ کی خدمت میں حاضر تھے کہ امام موسیٰ آگئے تو آپ نے فرمایا کہ میرے بعد یہی تمہارا امام اور ولی ہوگا۔

۱۰۔ اسحاق بن جعفر

کہتے ہیں کہ میں والد محترم کی خدمت میں حاضر تھا کہ عمران بن علی نے آپ سے سوال کیا کہ آپ کے بعد ذمہ دار دین کون ہوگا؟ تو آپ نے فرمایا جو سب سے پہلے یہاں حاضر ہوگا۔ اتنے میں امام موسیٰ بزم میں داخل ہوئے جن کی عمر صرف چند برس کی تھی۔ (ارشاد ص ۲۶۵، کشف الغمہ ص ۲۴۴)

۱۱۔ علی بن جعفر

کہتے ہیں کہ میرے والد محترم نے اپنے اصحاب کی ایک جماعت سے فرمایا کہ میرے فرزند موسیٰ کے ساتھ بہترین برتاؤ کرنا کہ وہ بہترین خلائق ہے اور میرے بعد میرا جانشین ہوگا۔

۱۲۔ زرارہ بن اعین

کہتے ہیں کہ میں امام صادقؑ کی خدمت میں حاضر تھا جہاں حضرت موسیٰ بن جعفرؑ بھی موجود تھے اور ایک جنازہ بھی رکھا ہوا تھا۔ آپ نے فرمایا کہ میرے اصحاب میں سے حمران، ابو بصیر اور داؤد رقی کو طلب کرو۔ میں نے سب کو حاضر کیا اور اتفاق سے مفضل بن عمر اور دیگر افراد بھی آگئے تو آپ نے اسماعیل کے رُخ سے چادر کو ہٹا کر فرمایا کہ داؤد یہ زندہ ہیں یا مُردہ؟ عرض کی یہ تو انتقال کر چکے ہیں۔ آپ نے سب کو گواہ بنایا اور اس کے بعد غسل و کفن کا سلسلہ شروع کیا۔ غسل و کفن کے بعد آپ نے دوبارہ سب کو چہرہ کی زیارت کرائی کہ یہ اسماعیل ہیں جن کا انتقال ہو چکا ہے۔ اس کے بعد آپ نے دفن کا حکم دیا۔ جب جنازہ قبر میں اُتارا گیا تو آپ نے پھر سب کو چہرہ دکھلایا اور پوچھا کہ دفن ہونے والا کون ہے۔؟ سب نے عرض کی "اسماعیل"۔ آپ نے اپنے فرزند موسیٰ کا ہاتھ پکڑ کر فرمایا کہ یہ امام برحق ہے اور حق اس کے ساتھ ہے اور اس کی نسل میں رہے گا۔

ان تمام تصریحات کا مقصد صرف یہ تھا کہ قوم کو اسماعیل کی موت کے بارے میں کوئی شبہ نہ رہ جائے اور امام موسیٰؑ کی امامت کا یقین ہو جائے۔ اس لیے کہ ایک طبقہ کو حضرت اسماعیل کی امامت کا خیال بہر حال پیدا ہو چلا تھا ـــ اور ایک قوم آج تک اس غلط فہمی میں مبتلا ہے جس کا کوئی جواز نہیں ہے۔

اعترافات

آپ علم و معرفت، فضل و کمال میں امام جعفرؑ کے وارث اور جانشین تھے اور دنیا کے سب سے بڑے عبادت گذار، عالم اور سخی تھے ـ (ابن حجر مکی)

آپ انتہائی قدر و منزلت کے مالک اور عظیم الشان مجتہد تھے، عبادات و طاعت میں مشہور زمانہ اور کرامات میں شہرۂ آفاق تھے۔ تمام رات عبادات میں بسر کرتے تھے اور دن میں صدقہ و صیام انجام دیا کرتے تھے ـ (ابن طلحہ شافعی)

آپ بڑی قدر و منزلت والے منفرد امام تھے اور عظیم الشان حجت خدا تھے۔ نمازوں کی وجہ سے تمام رات جاگتے تھے اور دن میں روزہ رکھتے تھے ـ (علامہ شبلنجی)

آپ اپنے دَور کے سب سے بڑے عالم، عبادت گزار، سخی اور بلند نفس انسان تھے۔
______ (ابن صباغ مالکی)

آپ عابد ترین اہلِ زمانہ اور کریم ترین دوراں تھے۔ آپ کے فضائل و کمالات بے شمار ہیں ___ (حسین واعظ کاشفی)

آپ قدر و منزلت کے اعتبار سے بزرگ ترین اہلِ عالم تھے اور اپنے پدرِ بزرگوار کی نص کے مطابق ولیِ امر امامت قرار پائے تھے ___ (روضۃ الاحباب)

کرامات

● شقیق بلخی جو صوفیوں میں ایک خاص اہمیت کے مالک ہیں۔ ان کا بیان ہے کہ میں ۱۴۹ھ میں حج بیت اللہ کے لیے نکلا تو مقام قادسیہ پر ایک شخص کو ایک مجمع کے درمیان دیکھا اور حلیہ سے اندازہ کیا کہ کوئی صوفی ہے جو قوم کے سر پر بار بننا چاہتا ہے۔ میں آگے بڑھا کہ اسے تنبیہ کروں، تو اس نے میرا نام لے کر آواز دی کہ خبردار! بدگمانی مت کرو تو مجھے یقین ہوگیا کہ یہ کوئی عبدِ صالح ہے۔
میں ان کی تلاش میں آگے بڑھا تو دوسرے مقام پر وادیٔ فضہ میں پھر مشغول عبادت دیکھا اور ارادہ کیا کہ معافی طلب کروں کہ میں نے بدگمانی کیوں کی تھی۔ قریب پہونچا تو اس شخص نے آواز دی کہ خدا توبہ کرنے والے کے گناہ کو بخش دیتا ہے۔ مجھے یقین ہوگیا کہ یہ کوئی ابدال میں سے ہے لیکن وہ پھر آگے بڑھ گیا۔ منزل زبالہ پر میں نے پھر دیکھا کہ کنویں سے پانی بھرنا چاہتا تھا کہ پیالہ کنویں میں گر گیا اور اس نے خدا سے مناجات کی کہ پیالہ کے بغیر میرا کام نہیں چل سکتا ہے اور نکالنے کا کوئی وسیلہ بھی نہیں ہے تو پانی کنویں میں بلند ہوا اور اس نے بھرا ہوا پیالہ نکال لیا اور وضو کر کے چار رکعت نماز ادا کی اور ایک مٹھی ریت پیالہ میں ڈال کر کھانا شروع کر دیا۔ میں نے قریب جا کر بھوک کی شکایت کی تو مجھے بھی عنایت فرما دیا اور میں نے دیکھا کہ بہترین ستو ہے جس کو کھانے کے بعد پورے سفر میں مجھے پھر کبھی بھوک نہیں لگی۔ مکہ مکرمہ میں میں نے پھر دیکھا کہ ایک ٹیلہ پر بیٹھے ہوئے محوِ عبادت ہیں، آنکھوں سے آنسو جاری ہیں اور یہ سلسلہ صبح تک جاری رہا۔ پھر انھوں نے طواف کیا اور ان کے گرد بے شمار افراد تھے جو ان کا بے حد احترام کر رہے تھے تو میں نے کسی شخص سے

پوچھا کہ یہ صاحب کرامات کون ہیں؟ تو اس نے بتایا کہ یہ فرزند رسولؐ امام موسیٰؑ بن جعفرؑ ہیں۔ تو مجھے خیال آیا کہ اس قسم کے کرامات اس گھرانے کے علاوہ اور کسی مقام پر ممکن نہیں ہیں۔
(نور الابصار، شواہد النبوۃ)

● عیسیٰ مدائنی حج بیت اللہ کے لیے گئے اور مکہ میں ایک سال رہنے کے بعد مدینہ چلے گئے وہاں بھی ایک سال قیام کا ارادہ تھا تو کرایہ پر مکان لیا اور امام موسیٰ کاظمؑ کے یہاں آنا جانا شروع کر دیا۔ ایک رات امام کی خدمت میں حاضر تھے کہ بارش شروع ہو گئی۔ آپ نے فرمایا کہ جلدی جاؤ تمھارا مکان منہدم ہوگیا ہے۔ وہ دوڑ کر پہونچے تو کیا دیکھا کہ لوگ سامان نکال رہے ہیں۔ دوسرے دن امامؑ کی خدمت میں پہونچے تو آپ نے دریافت کیا کہ کوئی چیز گُم تو نہیں ہوئی ہے۔ عیسیٰ نے کہا کہ صرف ایک طشت گُم ہوگیا ہے۔ معلوم ہوتا ہے لوگوں نے سامان نکالنے میں گُم کر دیا ہے۔ فرمایا کہ اسے تم انہدام سے پہلے بیت الخلاء میں رکھ کر بھول گئے تھے۔ اب جا کر مالک کی لڑکی سے دریافت کرو، وہ لا کر دے دے گی۔ عیسیٰ مدائنی نے واپس آکر دریافت کیا تو امامؑ کے ارشاد کے مطابق طشت مل گیا۔ (نور الابصار)

● ایک شخص نے ایک صحابی کے ہمراہ ۱۰۰ دینار روانہ کیے۔ اس نے مدینہ پہونچ کر سوچا کہ اسے پاک کر لیا جائے۔ پاک کرنے کے بعد گنا تو ایک کم تھا۔ اس نے ایک دینار اپنے پاس سے ملا دیا، اور حضرت کی خدمت میں تھیلی پیش کر دی تو آپ نے فرمایا کہ اسے زمین پر انڈیل دو۔ اس نے انڈیل دیا تو آپ نے اس کا دینار یہ کہہ کر واپس کر دیا کہ صاحب مال نے وزن کے اعتبار سے بھیجا تھا اور عدد میں اس کی تعداد ننانوے ۹۹ ہی تھی، لہٰذا تمہیں اپنے پاس سے ملانے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔
(شواہد النبوۃ)

● ایک شخص کا بیان ہے کہ علی بن یقطین نے میرے ذریعہ سوالات روانہ کیے۔ میں نے حضرت کو لفافہ دے دیا۔ آپ نے اسے کھولے بغیر اپنی آستین میں سے ایک خط نکال کر دیا اور فرمایا کہ اسے علی بن یقطین کو دے دینا اور کہنا کہ یہ تمھارے سوالات کے جوابات ہیں۔ (شواہد النبوۃ)

ابو حمزہ بطائنی کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ سفر حج میں ایک شیر نظر آگیا اور اس نے حضرت کے پاس آکر کچھ کہا اور آپ نے اسی کی زبان میں جواب دے دیا تو چلا گیا۔ میں نے اس کرامت کا راز

دریافت کیا تو فرمایا کہ اس کی شیرنی کو کوئی تکلیف تھی۔ اس نے دعا کی التماس کی تھی تو میں نے دُعا کر دی اور وہ مطمئن ہو کر چلا گیا۔ (تذکرۃ المعصومینؑ)

اخلاقیات

یوں تو ائمہ معصومینؑ کی ساری زندگی مجسمہ اخلاق و تہذیب ہوا کرتی تھی لیکن خصوصیت کے ساتھ اجتماعی زندگی میں اور تبلیغی میدان میں آپ حضرات نے ایسے ایسے اخلاق فاضلہ کا اظہار کیا ہے کہ اس سے متاثر نہ ہونا ایک سنگ دل اور بدبخت ہی کا کام ہو سکتا ہے۔ چنانچہ علامہ حلیؒ نے منہاج الکرامہ میں اس واقعہ کو نقل کیا ہے کہ جب آپ بغداد میں انتہائی پریشانی کی زندگی گذار رہے تھے تو ایک دن ایک راستہ سے گذر رہے تھے دیکھا کہ گھر کے اندر رقص و رنگ کی محفل جمی ہوئی ہے اور باہر گانے کی آواز آرہی ہے۔ اسی اثنا میں گھر کی کنیز کوڑا پھینکنے کے لیے باہر آگئی۔ آپ نے اُس سے پوچھا کہ یہ مکان کسی بندہ کا ہے یا آزاد کا؟ اس نے فوراً جواب دیا کہ آزاد کا۔ آپ نے فرمایا کہ بے شک اگر بندہ ہوتا تو اپنے مالک کی اطاعت کرتا، اور یہ کہہ کر آگے بڑھ گئے۔ کنیز گھر کے اندر واپس آئی تو صاحب خانہ بُشر نے تاخیر کا سبب پوچھا۔ اُس نے واقعہ بیان کیا۔ بُشر کے دل پر واقعہ کا اس قدر اثر ہوا کہ ننگے پیر دوڑ پڑے اور حضرت سے ملاقات کر کے بارگاہ احدیت میں استغفار کیا اور تمام عمر اس واقعہ کی یاد میں ننگے پیر چلے۔ اور جب بعض افراد نے سوال کیا کہ اس پا برہنگی کا راز کیا ہے؟ تو کہا کہ پروردگار نے زمین کو بساط اور فرش سے تعبیر کیا ہے اور یہ بندہ کی مجال نہیں ہے کہ مالک کے فرش پر جوتا پہن کر چلے۔

ایک مختصر سے جملہ سے انسان کے کردار میں اتنا بڑا انقلاب پیدا کر دینا کہ شراب و کباب سے تقویٰ اور طہارت کی منزل تک آجائے، امام موسیٰ کاظمؑ ہی کی زندگی کا کارنامہ ہو سکتا ہے جس کی مثال اولیاء اللہ کی تاریخ میں بھی نہیں ملتی ہے۔ اُدھر قید خانہ میں ہارون کی بھیجی ہوئی عورت سے سجدہ کرا لینا اور اسے راہ عبادت پر لگا دینا امام کی عملی تبلیغ کا بہترین نمونہ ہے۔ جس کے بعد یہ بات بآسانی کہی جا سکتی ہے کہ بدترین حالات میں اپنے کردار کا بچا لینا مصر کے معصوم جناب یوسفؑ کا کارنامہ تھا اور آئی ہوئی عورت کو اپنے راستہ پر لگا دینا بغداد کے قیدی امام موسیٰؑ بن جعفرؑ کا کارنامہ ہے۔

بُشر حافی کے کردار میں اس قدر انقلاب پیدا ہو گیا کہ ان کے حالات میں حسب ذیل حکیمانہ کلمات بھی نقل کیے گئے ہیں:

- آخرت کو اپنا راس المال اور سرمایہ قرار دو تاکہ دنیا میں جو کچھ مل جائے اسے فائدہ شمار کرو۔
- تمہارے موعظہ کے لیے یہی کافی ہے کہ بعض افراد خود مر چکے ہیں۔ لیکن ان کے تذکروں سے دلوں کو زندگی مل رہی ہے اور بعض افراد خود زندہ ہیں لیکن ان کے دیکھنے سے قساوت قلب اور سنگ دلی پیدا ہوتی ہے۔
- حدیثوں کی بھی زکوٰۃ ادا کیا کرو کہ کم از کم دو سو حدیثوں میں سے پانچ پر تو عمل کر لیا کرو۔
- محمد بن نعیم نے حالت مرض میں موعظہ کی فرمائش کی تو فرمایا کہ اس گھر میں ایک چیونٹی تھی جو گرمی میں دانے اکٹھا کرتی تھی تاکہ سردی میں استعمال کرے کہ اچانک ایک دن دانہ لے کر نکلی تو ایک چڑیا نے چھین لیا اور نہ جمع کیا ہوا کام آیا اور نہ وہ مقصد حاصل ہوا جس کا ارادہ کیا تھا۔ یہی حال انسان کا بھی ہے تو اسے چیونٹی ہی کے حالات سے عبرت حاصل کرنی چاہیے۔ (الکنیٰ والالقاب)

نقشِ انگشتر

آپ کی انگشتری کا نقش تھا "حسبی اللہ" جو آپ کے دور کے حالات کی مکمل ترجمانی اور مظالم کے مقابلہ میں آپ کے توکل علی اللہ کا واضح اعلان تھا۔

عبادت

امام موسیٰ کاظمؑ کا انداز عبادت بھی دنیا کے دوسرے افراد سے بالکل مختلف تھا۔ آپ قید خانہ کی زندگی میں بھی اس بات پر شکر خدا کرتے تھے کہ عبادت کے لیے بہترین ماحول نصیب ہو گیا ہے اور اسی بات پر حکومت وقت کے ہوش و حواس اُڑ جاتے تھے کہ ان بدترین حالات میں بھی ان کے ذہن میں اضطراب اور پریشانی کی کیفیت نہیں ہے جب کہ حکومت ان کے عدم اضطراب سے مضطرب ہے۔

آپ کی عبادت کا یہ عالم تھا کہ صبح کی نماز کے بعد سر سجدہ معبود میں رکھتے تھے تو ظہر کے

ہنگام سر اٹھاتے تھے اور عصمت کے باوجود یہ مناجات کرتے تھے کہ "پروردگار! تیرے بندہ کے گناہ بہت عظیم ہیں لہٰذا تیری بخشش بھی اسی اعتبار سے ہونی چاہیے۔" جو اس بات کی علامت ہے کہ امامؑ کو اپنی قوم سے کس قدر ہمدردی تھی اور ان کی شفاعت کے بارے میں کس قدر اہتمام فرمایا کرتے تھے کہ آپ کو روایات میں "حلیف السجدۃ الطویلۃ" کے لقب سے یاد کیا گیا ہے۔

خود ہارون رشید نے بھی یہ شانِ عبادت دیکھ کر داروغۂ زنداں سے کہا تھا کہ یہ بندۂ خدا اس قید کا حق دار نہیں ہے لیکن کیا کیا جائے کہ اسے قیدی بنائے بغیر اپنی حکومت نہیں چل سکتی ہے۔

اسی شانِ عبادت و بندگی کا اثر تھا کہ جس قید خانہ میں رہے داروغۂ زنداں اور ملازمین آپ کے ہمدرد بن گئے اور حکومت کے اصرار کے باوجود زہر دینے یا ایذا پہونچانے پر آمادہ نہیں ہوئے۔ یہاں تک کہ سندی بن شاہک ملعون نے زہر بھی دیا تو ضمیر کی ملامت اور عوام کی بغاوت کے خوف سے اشتی افراد کو جمع کرکے ان سے شہادت طلب کی کہ امامؑ کو زہر نہیں دیا گیا ہے اور یہ بالکل صحیح و سالم حالت میں ہیں جس پر آپ نے ان لوگوں کو گواہی دینے سے منع کیا اور فرمایا کہ میں تین دن کے بعد اس زہر کے اثر سے دنیا سے رخصت ہو جاؤں گا۔ خبردار! تم لوگ اپنے ہاتھوں کو اس خون ناحق سے رنگین نہ کرو۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان لوگوں کے جانے کے بعد ظالم سندی بن شاہک نے چادر کے اندر آپ کو اس طرح لپیٹنا شروع کیا جس طرح کپڑا نچوڑا جاتا ہے اور اس کے زیر اثر آپ کی شہادت واقع ہو گئی۔ جس کے بعد پھر جنازہ کو دکھلا کر لوگوں سے گواہی طلب کی گئی کہ کسی زخم وغیرہ کا نشان نہیں ہے اور یہ اپنی موت سے دنیا سے گئے ہیں۔ جو ظالم کے احساس ظلم اور امام کی فتح مبین کی بہترین علامت ہے۔ ولا تحسبن اللہ غافلا عما یعمل الظالمون۔

حقائقِ زندگی اور امام موسیٰ بن جعفرؑ

زندگی اور بندگی کے حقائق کو بے نقاب کرنے میں ائمہ معصومینؑ نے جو کردار ادا کیا ہے اس کی مثال تاریخ عالم میں کہیں نہیں ملتی ہے۔ امام موسیٰ کاظم علیہ السلام بھی انھیں ائمہ اہلبیتؑ کی ایک فرد تھے، لہٰذا آپ کا دور اگرچہ شدت مصائب و آلام کا دور تھا لیکن آپ نے اپنے فرض منصبی کو ادا کرنے میں کسی طرح کی کوتاہی نہیں کی اور مسلسل حقائق مذہب کو بے نقاب کرتے رہے۔

ذیل میں صرف چند موضوعات کے بارے میں آپ کے ارشادات کو نقل کیا جا رہا ہے جنھیں مختلف علماء و مصنفین نے اپنی کتابوں میں درج کیا ہے اور جن سے امامت کے افکار و نظریات کا مکمل اندازہ ہو سکتا ہے:

ایمان:

ایک شخص نے آپ سے دریافت کیا کہ بہترین عمل کون سا ہے؟

آپ نے فرمایا کہ جس کے بغیر کوئی عمل قابلِ قبول نہ ہو سکے۔

عرض کی وہ کیا ہے؟

فرمایا کہ ایمان! جو سب سے بلند ترین اور شریف ترین منزل عمل و کردار ہے۔

عرض کی ایمان قول و عمل دونوں کا نام ہے یا صرف قول بلا عمل کا؟

فرمایا کہ ایمان کل کا کل عمل ہے۔ قول تو اس کا ایک جزء ہے جس کی وضاحت کتاب عزیز نے خود ہی کر دی ہے۔

عرض کی، ذرا کچھ اور وضاحت فرمائیں کہ ہم لوگ سمجھ سکیں۔

فرمایا کہ ایمان کے درجات و حالات و طبقات و منازل ہیں۔ ایمان انتہائی کامل بھی ہوتا ہے اور انتہائی ناقص بھی اور نسبتاً کامل بھی۔

عرض کی کیا ایمان میں زائد و ناقص ہوتا ہے۔؟

فرمایا، بے شک!

عرض کی کس طرح؟

فرمایا، اللہ نے ایمان کو انسان کے اعضاء و جوارح پر تقسیم کر دیا ہے اور ہر عضو کو ایمان کی ایک ذمہ داری سپرد کی ہے۔ کچھ ذمہ داریاں دل کی ہیں جن کا خلاصہ سمجھنا اور تعقل کرنا ہے۔ وہ جسم کا امیر و رئیس ہے اس کی رائے کے بغیر کوئی عضو حرکت نہیں کر سکتا اور کچھ ذمہ داریاں ہاتھوں، پیروں، آنکھوں، کانوں اور شرمگاہوں کی ہیں۔ دل کا فرض زبان سے مختلف ہوتا ہے اور زبان کا فرض آنکھوں سے۔ آنکھوں کا فرض کانوں سے مختلف ہوتا ہے اور کانوں کا فرض ہاتھوں اور پیروں سے اور ہاتھوں پیروں کا فرض شرمگاہوں سے مختلف ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر دل کا فرض یہ ہے کہ اقرار، معرفت، تصدیق، تسلیم و رضا اور عقیدہ سے کام لے اور یہ سمجھے کہ خدا وحدہ لاشریک ہے۔ اس کا کوئی فرزند و ہمسر نہیں ہے۔ حضرت محمدؐ اس کے بندے اور رسول ہیں وغیرہ . . . (اصول کافی ج ۲ ص ۳۸)

عِلم:

مورخین نے نقل کیا ہے کہ امام موسیٰ کاظمؑ مسجد پیغمبرؐ میں داخل ہوئے تو کیا دیکھا کہ لوگ ایک شخص کے گرد جمع ہیں اور اس کی انتہائی تعظیم و تکریم کر رہے ہیں۔ آپ نے فرمایا یہ کون ہے؟ لوگوں نے عرض کی کہ بہت بڑا عالم ہے!

فرمایا کہ یہ بڑا عالم کیا ہوتا ہے۔ عرض کی کہ یہ تمام عرب کے انساب اور واقعات و حادثات کا جاننے والا ہے۔

فرمایا۔ یہ وہ علم ہے جس کا جاننا مفید ہے اور نہ جاننا مضر نہیں ہے۔ اسے علم نہیں کہتے ہیں۔ علم کی تین قسمیں ہیں؛ آیت محکمہ، فریضہ عادلہ اور سنت قائمہ۔ اس کے علاوہ سب فضل ہے علم نہیں ہے۔

حقیقی علم یہ ہے کہ انسان چار باتوں کی اطلاع پیدا کرے۔ (۱) خدا کو پہچانے۔ (۲) یہ پہچانے کہ اس نے انسان کے ساتھ کیا برتاؤ کیا ہے۔ (۳) یہ دریافت کرے کہ وہ بندے سے کیا چاہتا ہے (۴) یہ معلوم کرے کہ کون سی چیزیں انسان کو دین سے خارج کر دیتی ہیں۔

علم فقہ:

دینی معلومات کے بارے میں اپنے اصحاب کو تلقین کرتے ہوئے فرمایا:

"علم دین حاصل کرو کہ یہ بصیرت کی کلید، عبادت کی تکمیل، بلند منزلوں کا ذریعہ اور اعلیٰ مراتب دنیا و آخرت کا وسیلہ ہے۔ عابد کے مقابلہ میں عالم کا وہی مرتبہ ہے جو ستاروں کے مقابلہ میں آفتاب کا مرتبہ ہے۔ جو علم دین حاصل نہ کرے اللہ اس کے کسی عمل سے راضی نہ ہوگا۔"

"عالم سے مزبلہ پر بھی گفتگو کرنا جاہل سے فرش مخمل پر بات کرنے سے بہتر ہے۔"

"علماء رسولوں کے امانت دار ہیں جب تک کہ دنیا داری میں داخل نہ ہوں۔ یہی میرے جد بزرگوار کا بھی ارشاد ہے۔"

ایک شخص نے عرض کی کہ فرزند رسولؐ! آخر دنیا داری میں داخل ہونے کا مطلب کیا ہے؟

فرمایا کہ "سلاطین کی پیروی"، کہ ایسا کرنے والے علماء سے احتیاط کرنا بہر حال ضروری ہے۔

عمل:

ائمہ معصومینؑ نے عبادات کی طرح کسب معاش کے لیے بھی زحمتیں برداشت کی ہیں اور اہل دنیا کو یہ درس دیا ہے کہ یہ انسان کا ایک بہترین فریضہ ہے۔ امام جعفر صادقؑ ہاتھ میں کدال لیے پسینہ میں غرق محنت کر رہے تھے کہ ایک شخص نے گزارش کی کہ حضور یہ مجھے دے دیجیے، میں یہ کام کر دوں گا۔؟

فرمایا کہ "طلب رزق کے لیے آفتاب کی تمازت میں کام کرنا مجھے بے حد پسند ہے۔"

امام موسیٰ بن جعفرؑ اپنی زمین میں محنت کر رہے تھے کہ حسن بن علی بن ابی حمزہ کی نظر پڑ گئی عرض کی کہ آپ کیوں زحمت فرما رہے ہیں باقی لوگ کہاں چلے گئے؟ فرمایا کہ یہ کام مجھ سے بہتر افراد نے بھی انجام دیا ہے۔

عرض کی کہ وہ کون حضرات ہیں؟ — فرمایا کہ مرسل اعظمؐ اور مولائے کائنات — اور یہ تو جملہ انبیاء و صالحین کی سیرت رہی ہے۔ (من لا یحضرہ الفقیہ ج ۳ ص ۳) — اسی کے ساتھ ساتھ آپ نے اپنی اولاد کو سستی اور کسل مندی سے منع فرمایا کہ اس سے دنیا اور آخرت دونوں کا نصیب برباد ہو جاتا ہے — سستی کرنے والا مُردوں کے حکم میں ہوتا ہے کہ اس کے پاس کوئی فکر او رتدبیر نہیں ہوتی ہے۔

خدمت خلق:

اپنے اصحاب کو تعلیم دیتے ہوئے فرمایا کہ:

"جس کے پاس کوئی برادر مومن مدد مانگنے کے لیے آئے اور وہ باوجود قدرت کے اسے رد کردے تو گویا اس نے ولایت الٰہی کے رشتہ کو منقطع کردیا ہے اس لیے کہ پروردگار نے قضاء حوائج مومنین کا حکم دیا ہے۔ اور مومن کا مدد مانگنے کے لیے آنا درحقیقت ایک رحمت پروردگار ہے۔ انسان نے اس کے مدعا کو پورا کیا تو گویا ہمارے رشتہ کا خیال رکھا اور وہی رشتہ پروردگار کا ہے۔ اور مومن کو رد کردیا تو پروردگار اس کے اوپر آگ کے سانپ مسلط کردے گا جو قبر میں بھی اسے اذیت پہونچاتے رہیں گے۔"

"روئے زمین پر ایسے بندگانِ خدا موجود ہیں جو لوگوں کی حاجت برآری کرتے رہتے ہیں۔ یہی لوگ روز قیامت کے ہول سے محفوظ رہیں گے اور جو بھی کسی مومن کو خوش کرے گا، پروردگار روزِ قیامت اس کے دل کو خوش حال بنادے گا۔" (وسائل الشیعہ باب الامر بالمعروف)

محاسبۂ نفس:

محاسبۂ نفس ایک انتہائی ضروری عمل ہے جس کی طرف ائمہ معصومینؑ نے اپنے چاہنے والوں کو برابر توجہ دلائی ہے۔ چنانچہ امام موسیٰ بن جعفرؑ نے بھی فرمایا:

"جو شخص اپنے نفس کا حساب نہ کرے وہ ہم میں سے نہیں ہے۔ محاسبۂ نفس کا فائدہ یہ ہے کہ نیکی کرنے والا نیکی میں اضافہ کرتا ہے اور برائی کرنے والا توبہ و استغفار کی طرف متوجہ ہوجاتا ہے۔

تہذیب اخلاق

حضرت فرماتے ہیں کہ "نیکیاں زیادہ بھی ہوں تو انھیں زیادہ نہ سمجھو، اور برائیاں کم بھی ہوں تو انھیں کم نہ سمجھو کہ قلیل گناہ ہی بڑھ کر کثیر ہوجاتا ہے اور تنہائیوں میں خدا سے ڈرتے رہو تاکہ اپنے نفس کے ساتھ انصاف کرسکو۔"

"ماں باپ کے ساتھ بہترین برتاؤ کرو تاکہ جنت تک منحصر رہو اور برا برتاؤ نہ کرو کہ جہنم تک محدود ہو کر رہ جاؤ۔"

"اللہ کی نعمتوں کا تذکرہ کرنا شکر ہے اور اس کا ترک کردینا کفرانِ نعمت ہے۔ نعمتوں کا سلسلہ شکر سے ملا دو اور اپنے اموال کا تحفظ زکوٰۃ کے ذریعہ کرو۔ بلاؤں کو دعاؤں کے ذریعہ رد کرو، اور یاد رکھو کہ دعا رد بلا کے لیے ایک سپر ہے۔" وماتوفیقی الا باللہ۔

جہاد امام موسیٰ بن جعفر علیہما السلام

ائمہ معصومینؑ کی زندگی کے بارے میں یہ ایک عجیب و غریب تصور پایا جاتا ہے کہ وہ ہمیشہ حکومت اور اقتدار سے بیزار رہے ہیں اور تنہائی کی زندگی پسند فرماتے رہے ہیں۔ ان کے سامنے جب بھی اقتدار کا مسئلہ آیا تو انھوں نے یہ کہہ کر ٹال دیا کہ ہم اہلِ آخرت ہیں، ہمیں دنیا کی حکومت سے کوئی واسطہ نہیں ہے۔ ہمارے لیے تسبیح و تہلیل پروردگار ہی بہت کافی ہے اور ہم اسی سے اپنی عاقبت و آخرت کا انتظام کرلیں گے۔

یہ تصور اس قدر عام ہوا کہ صاحبانِ علم و فضل نے بھی اس مقولہ کو دلیل شرف بنا لیا کہ ہمیں دنیا کے معاملات سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ ہم اللہ والے ہیں، ہمارے لیے گوشہ نشینی اور عزلت گزینی ہی بڑی چیز ہے اور ہماری نجات کے لیے یہی زندگی کافی ہے۔

اربابِ اقتدار نے اس تصور کو اور بھی ہوا دی اور اس قدر عام کیا کہ اگر کسی صاحب علم و کمال نے اصلاح عالم کا ارادہ بھی کیا تو مخلص عوام نے یہ کہنا شروع کردیا کہ یہ آپ کی شان کے خلاف ہے۔ آپ کا کام محراب میں بیٹھ کر تسبیح و تہلیل الٰہی کرنا ہے۔ دنیا کا کام اہل دنیا سنبھال لیں گے آپ کو زحمت کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اہل دنیا کو کھل کر کھیلنے کا موقع مل گیا اور اسلامی مقدسات، خدائی احکام، شعائر اسلام، شریعت اسلامیہ سب کھیل تماشہ بن گئے اور جس میں جس قدر تحریف و ترمیم کا امکان تھا اس میں اسی قدر دخل اندازی کی گئی اور حقیقت کے چہرہ کو مسخ کردیا گیا کہ آج اسلام کی صحیح تصویر کو دین جدید تصور کیا جارہا ہے۔

اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ائمہ معصومینؑ ہمیشہ حکومت اور اقتدار ہی کی فکر میں رہے اور انھوں نے تسبیح و تہلیل کو معاذ اللہ بیکاری کا مشغلہ قرار دے لیا تھا۔ ایسا تصور خود بھی ایک کفر کے مرادف ہے۔ حقیقت امر یہ ہے کہ وہ حکومت و اقتدار سے الگ بھی رہے اور اس سے علیحدگی

کا اعلان بھی کرتے رہے لیکن اس کے ساتھ ساتھ قیام حکومت کی فکر بھی کرتے رہے اور ان دونوں میں کوئی تضاد یا اختلاف بھی نہیں ہے۔

بات صرف یہ ہے کہ حکومت و سیاست میں دخل اندازی کے دو طریقے ہیں:

(۱) سیاست استقلالی (۲) سیاست اتباعی

سیاست استقلالی کا مطلب یہ ہے کہ حکومت کا نظام صاحبان ایمان کے ہاتھ میں ہو اور وہ جس طرح چاہیں اسلامی قوانین کی روشنی میں نظام حکومت کو چلائیں اور سارے معاملات و مقدمات کا خود فیصلہ کریں۔

سیاست اتباعی کے معنی یہ ہیں کہ اقتدار کسی اور کے ہاتھ میں رہے اور صاحبانِ ایمان جہاز حکومت میں شامل ہو جائیں اور حکومت کے اشاروں پر اسلام کو بھی چلاتے رہیں۔

اسلام جس سیاست کا شدید ترین مخالف ہے اور جسے مجبوری کے علاوہ کسی شکل میں بھی جائز قرار نہیں دیتا ہے وہ اتباعی سیاست ہے جس کا مطلب ہی درحقیقت اسلامی احکام کی بربادی ہے اور اس طریقۂ کار کو اسلام اس قدر قبیح قرار دیتا ہے کہ اس کے نظام میں ایک مستقل باب ہے "اعانت ظالم" اور "ولایت جائر" ـــــ جس کے سلسلہ میں اسلام نے ہر ایسے کام کو حرام قرار دے دیا ہے جس سے ظالمین کی مدد ہوتی ہو اور ان کے نظام حکومت کو تقویت حاصل ہوتی ہو۔ اس نے اس کام کو صرف صاحبانِ ایمان کو مصائب سے بچانے کے لیے جائز قرار دیا ہے ورنہ اسے بدترین تصور کیا ہے۔ امام موسیٰ بن جعفرؑ کا علی بن یقطین کو اجازت دینا بھی اسی باب سے تھا کہ آپ صاحبانِ ایمان کے جان و مال کا تحفظ کرنا چاہتے تھے ورنہ علی بن یقطین کو یہ تصور بھی ہو جائے کہ میں امام موسیٰ بن جعفرؑ کے بجائے حاکم وقت کو حاکم تصور کرتا ہوں تو عالم ایمان سے خارج ہو جائیں گے اور یہ ان کے حق میں ممکن بھی نہ تھا۔ ابن یقطین ہارون کو کسی قابل بھی سمجھتے ہوتے تو عہدہ پانے کے وقت امامؑ سے مسئلہ دریافت نہ کرتے اور حکومت کی طرف سے ملنے والے انعامات کو امام کی خدمت میں پیش نہ کرتے۔ یہ بات خود اس بات کی زندہ دلیل ہے کہ سیاست اتباعی کا جواز صرف صاحبانِ ایمان کی جان و مال و آبرو کے تحفظ کے لیے ہے۔ اس کا قوم میں حیثیت پیدا کرنے، عوام کا استحصال کرنے اور حکومتوں سے سہولتیں حاصل کرنے یا مفت کی گاڑی میں سوار ہونے کے لیے کوئی جواز

نہیں ہے۔ یہ کام حرام تھا، حرام ہے اور حرام رہے گا۔ ظالمین سے کسی طرح کا تعاون بھی جائز نہیں ہے۔

امام موسیٰ بن جعفرؑ نے اس تعاون پر اتنی دور سے پابندی لگائی تھی کہ چاہنے والوں کے ذہن میں تعاون کے جواز کا تصور بھی نہ ہونے پائے ـــــ علی بن یقطین نے ابراہیم جمال سے ملاقات نہ کی تو امامؑ نے ابن یقطین کی ملاقات سے بھی انکار کر دیا کہ مبادا ابن یقطین کو عہدہ کا غرور پیدا ہو جائے اور "سیاست تحفظ" "سیاست اتباع" میں تبدیل ہو جائے۔

صفوان جمال سے یہ فرمانا کہ ظالموں کو اونٹ کرایہ پر دینا بھی محل خطر ہے کہ اس طرح ظالم کی حیات کی تمنا پیدا ہوتی ہے کہ وہ سفر سے زندہ واپس آئے اور کرایہ وصول ہو جائے ـــــ بھی اس بات کی دلیل ہے کہ امامؑ اپنے اصحاب کو ہر طرح کے امکانی تعاون سے بھی دور رکھنا چاہتے تھے۔ خود امام علی رضاؑ کا ولی عہدی سے مسلسل انکار کرنا اور پھر مشروط طریقہ سے قبول کرنا ایک دلیل ہے کہ ائمہ معصومینؑ سیاست اتباع کے شدید ترین مخالف تھے اور اسلام کے دائرہ میں سیاست استقلال کے علاوہ اور کسی سیاست کو داخل ہونے کی اجازت نہیں دینا چاہتے تھے۔

ارباب حکومت کی طرف سے عہدوں کی پیش کش سیاست اتباع تھی اور انقلابی جماعت کی طرف سے قیادت کی پیش کش سیاستِ ناکام۔ اسی لیے ائمہ معصومینؑ نے دونوں سے انکار کر دیا اور اس کے لیے بہترین عذر خدمتِ دین اور عبادت الٰہی جیسے مشاغل کو قرار دیا جو صحیح ترین عذر بھی تھا اور اس میں کسی طرح کے تقیہ اور توریہ کی ضرورت بھی نہیں تھی اس لیے کہ واضح طور سے انکار کر دینا مقابلہ کو دعوت دینا تھا اور اس کے لیے حالات سازگار نہ تھے ورنہ قیام ہی کیوں نہ فرماتے اور اس کے بعد بہترین عذر عبادت الٰہی ہی کا مشغلہ تھا جس میں اپنی طرف سے حکومتوں کو مطمئن بھی کر دینا تھا کہ ہم سے کسی طرح کے انقلاب کا خطرہ نہیں ہے اور ایک طرح کی ہدایت بھی تھی کہ عبادت الٰہی کو ترک کر کے حکومت کرنا خلافِ اسلام ہے اور یہ حکومت عبادتِ الٰہی کے یقیناً منافی ہے ورنہ حکومت کا واضح جواب ہوتا کہ آپ اہل آخرت ہیں تو آخرت اور حکومت میں کوئی تضاد نہیں ہے یا عبادت اور حکمرانی میں کسی طرح کا کوئی اختلاف نہیں ہے۔ دونوں کام ایک ساتھ ہو سکتے ہیں۔ لیکن حکومت کو معلوم تھا کہ ہمارے نظام میں اس کا کوئی امکان نہیں ہے۔ جیسا کہ خود ائمہ معصومینؑ نے بھی مختلف مواقع پر واضح کر دیا تھا چنانچہ جب منصور نے امام صادقؑ سے کہا کہ آپ ہمارے دربار میں کیوں نہیں آتے ہیں

تو آپ نے فرمایا کہ نہ میرے پاس دنیا ہے کہ تیرا خوف پیدا ہو، اور نہ تیرے پاس آخرت ہے کہ اس کی طمع کی جائے۔ اس نے پھر اصرار کیا کہ برائے نصیحت ہی آیا کیجئے تو آپ نے فرمایا کہ "جسے دنیا کی طلب ہوگی وہ تجھے نصیحت نہ کرے گا اور جسے آخرت کی طلب ہوگی وہ تیرے ساتھ نہ رہے گا۔"

ائمہ معصومینؑ کی حیات میں جس حکومت و سیاست سے کنارہ کشی کا ذکر ملتا ہے وہ اتباعی سیاست ہے ورنہ استقلالی سیاست اسلام کے اسکانی فرائض میں ہے اور ہر مسلمان کا فرض ہے کہ اپنے امکان بھر حکومت اسلامی کے قیام کی کوشش کرے اور کم از کم سیاست ظلم اور نظام باطل کے خلاف آواز ہی بلند کرے تاکہ حق اور باطل کا امتیاز قائم ہو جائے اور عوام کو دھوکہ نہ ہونے پائے جیسا کہ ائمہ معصومینؑ کی حیات میں مسلسل نظر آتا ہے۔

امام موسیٰ بن جعفرؑ کی زندگی کے ساتھ ایک حادثہ یہ بھی رہا ہے کہ آپ کے جہاد پر حکومتوں نے اس شدت سے پردے ڈالے ہیں کہ اب وضاحت بھی مشکل ہو گئی ہے اور عوام الناس کے ذہن میں صرف یہی ایک تصور رہ گیا ہے کہ "مولا پہ انتہائی اسیری گزر گئی۔ زندان میں جوانی و پیری گذر گئی"۔ حالانکہ انتہائی مظلومیت کے بعد بھی امامؑ کی زندگی صرف ایسی نہیں تھی۔ آپ ۱۲۸ھ میں پیدا ہوئے ہیں اور ۱۸۳ھ میں شہادت پائی ہے۔ مجموعی عمر ۵۵ سال ہے اور ۵۵ سال میں ہارون کی قید کا سلسلہ تقریباً ۱۴ سال رہا ہے تو باقی چالیس سال کی زندگانی تو قید میں نہیں رہی اس کے تو یقیناً کچھ اعمال، اشغال، خدمات اور مجاہدات ہوں گے اور ان کا تذکرہ تو تاریخ میں ہونا چاہیے تھا۔ لیکن یہ تذکرہ اس "طویل زندگانی" کے اعتبار سے انتہائی مختصر ہے۔ زندگانی کو طویل اس اعتبار سے کہا گیا ہے کہ امام جوادؑ تو صرف ۲۵ سال ہی زندہ رہے ہیں اور امام عسکریؑ صرف ۲۸ سال زندہ رہے تو اس اعتبار سے ۵۵ سال کی عمر مظالم کے دور میں کچھ کم نہیں ہے لیکن تذکرہ بہرحال بہت مختصر ہے۔ لیکن اس کے باوجود اس مختصر تذکرہ کے درمیان بھی جہاد مسلسل کی جھلکیاں صاف نظر آجاتی ہیں۔

آپ نے زندگی کے بیس سال پدر بزرگوار کے زیر سایہ گذارے ہیں۔ اس کے بعد ۳۵ سال آپ کا اپنا دور امامت رہا ہے۔ دور امامت سے مراد منصب امامت نہیں ہے کہ وہ امام اپنے ساتھ لے کر آتا ہے۔ دور امامت سے مراد ہدایت امت کی مستقل ذمہ داری کا دور ہے، اور اس ۳۵ سال میں چار حکام بنی عباس گذرے ہیں۔ دس سال منصور دوانیقی کا دور رہا ہے۔ دس سال

اس کے فرزند مہدی کا دور رہا ہے۔ ایک ڈیڑھ سال مہدی کے فرزند ہادی کا دور رہا ہے اور پھر تیرہ چودہ سال ہارون رشید کا دور رہا ہے۔ اور یہ چاروں حکام اپنے وقت کے انتہائی ظالم، جابر، دشمن اہلبیت اور جلاد مشہور تھے اور امام نے ان کے دور حکومت میں بھی بقدر امکان جہاد کیا ہے اور کسی وقت سیاست اتباع کو رائج نہیں ہونے دیا ہے

ان حکام وقت کا مختصر تعارف یہ ہے:

منصور: ایک ایک دانق (پیسہ) کے بخل کی وجہ سے دوانیقی کہا جاتا تھا۔۔۔ ایسا دشمن اہلبیتؑ تھا کہ اس کے مرنے کے بعد جب اس کا خزانہ کھولا گیا ہے تو اس میں صرف سادات اور محبان اہلبیتؑ کے سروں کا ذخیرہ تھا اور سب پر شہیدوں کا نام اور ان کا شجرہ لکھا ہوا تھا۔ اس ظالم نے حسنی سادات کو دیواروں اور ستونوں میں زندہ چنوا دیا تھا جس کا ایک مشہور واقعہ یہ ہے کہ ایک بچہ کو زندہ دیوار میں چنوایا تو اس نے فریاد کی اور معمار نے ہوا کے لیے ایک سوراخ چھوڑ دیا اور رات کو آکر باہر نکال دیا۔ بچہ نے منت کی کہ میری والدہ کو میرے گھر جا کر میری رہائی کی اطلاع کر دینا ورنہ وہ بہت پریشان ہوں گی۔

مہدی: اس سے بھی بدتر حاکم تھا۔ ابتدا میں اس نے نرمی کا برتاؤ کیا لیکن اس کے بعد امامؑ کو بار بار مدینہ سے بغداد طلب کیا کہ قتل کر دیا جائے۔ لیکن بفضل الٰہی کامیاب نہ ہو سکا۔ اسی نے امامؑ کو فدک واپس کرنے کا ارادہ کیا تھا لیکن آپ نے فرمایا کہ اس کے حدود تمام مملکت اسلامیہ کے حدود ہیں، اور فدک خلافت کی ایک تعبیر ہے۔ اسلامی حکومت کے بغیر باغ کی کوئی حیثیت نہیں ہے کہ یہ باغ درحقیقت اسلامی حکومت کے استحکام کا ذریعہ ہے اور اس کے بغیر ہماری نظر میں اس کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔ فدک صرف ایک باغ ہو یا جاگیر ہو، ہم سب کو اسلام کی راہ میں صرف کرنا چاہتے ہیں اور یہی ہمارے جد بزرگوار اور جدہ ماجدہ کا مقصد تھا جس کے لیے انھوں نے قیام فرمایا تھا۔

ہادی: یہ باپ سے بھی بدتر تھا اور اس نے حکومت پاتے ہی قتل امامؑ کے منصوبہ کا اعلان کر دیا لیکن حضرت نے مسکرا کر فرمایا کہ خود پہلے اپنی خیر منائے اس کے بعد مجھے قتل کریگا چنانچہ منصوبہ کی تکمیل سے پہلے ہی واصل جہنم ہو گیا۔

ہارون : علماء اسلام نے اس کے فضائل کے دفتر کھول دیے ہیں حالانکہ یہ ایک انتہائی عیاش شخص تھا اور علماء کو اپنے سے قریب حسب خواہش فتویٰ حاصل کرنے کے لیے رکھے ہوئے تھا۔

اس نے امامؑ کو بغداد لانے سے پہلے حج کا سفر کیا تاکہ مکہ یا مدینہ میں امام کے حالات کا جائزہ لے اور مسجد الحرام میں امام سے بحث بھی کی۔ جب حضرت نے لاجواب کر دیا تو پھر مدینہ جا کر باقاعدہ ملاقات کی اور یہ طے کر لیا کہ ان کو مدینہ سے بغداد طلب کر لیا جائے۔

نقوشِ سیاست

امام موسیٰ بن جعفرؑ کی زندگی کے سیاسی نقوش حسب ذیل ہیں :

۱۔ علی بن یقطین کو وزیر مملکت بنوا دیا تاکہ مومنین کے جان و مال و آبرو کا تحفظ ہو سکے اور حکومت کے ارادے بھی واضح ہو سکیں کہ حتی الامکان ان کو تکمیل سے روکا جا سکے۔

۲۔ علی بن یقطین کے ذریعہ اتنا خراج فراہم ہوتا رہے کہ فقراء مومنین کی کفالت ہو سکے اور ایتام آل محمدؐ تباہ و برباد نہ ہو سکیں۔

۳۔ اصحاب کو ہر طرح کے تعاون سے باز رکھا تاکہ حکومت سے بیزاری کی فضا قائم رہے اور عوام میں یہ احساس بیدار ہو کہ ایسے افراد ملک خدا میں حکومت کرنے کے اہل نہیں ہیں۔

۴۔ حکومت کے مطالبات پر مدینہ سے بغداد اور بغداد سے مدینہ کا سفر کرتے رہے کہ اس طرح ہر مقام کے لوگوں سے رابطہ قائم ہو گا اور انھیں اسلام کا مفہوم سمجھایا جا سکے گا۔ چنانچہ سندی بن شاہک جیسے ملعون کی قید میں بھی رہ کر اس کے بعض گھر والوں کو اپنا ہم خیال بنا لیا اور اس کی نسل میں ایک پورا خاندان محبان اہلبیتؑ کا پیدا ہو گیا۔

۵۔ حج کے موقع پر مسجد الحرام میں بیٹھ کر مسائل بیان کرتے رہے اور لوگوں کو اسلام کی عظمت اور اہلبیتؑ کی جلالت سے باخبر کرتے رہے یہاں تک کہ ہارون نے مسئلہ پوچھنا چاہا تو فرما دیا کہ با ادب کھڑے ہو کر سوال کرو تاکہ لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ ہارون جاہل ہے اور جاہل کو حاکم مسلمین بننے کا حق نہیں ہے۔

ہارون نے مدینہ میں قبر پیغمبرؐ سے خطاب کر کے سلام کیا اور کہا "السلام علیک

یابن العم" تاکہ اپنی قرابت کا اظہار کرے۔ تو آپ نے فوراً سلام کیا، "السلام علیک یا أبتہ" تاکہ قوم کو اندازہ ہو سکے کہ وہ قرابت دار ہے تو ہم فرزند رسولؐ ہیں۔

۶۔ فدک کے حدود بیان کر کے واضح کر دیا کہ ہمارا حق ایک علاقہ کا نہیں ہے۔ ہمارا حق پورے عالم اسلام پر ہے جس پر ظالموں نے قبضہ کر رکھا ہے۔

اس کے علاوہ بھی امامؑ کی زندگی میں تبلیغ دین، خدمت اسلام اور تربیت اصحاب کے بے شمار مواقع پائے جاتے ہیں۔ جن سے اندازہ ہوتا ہے کہ امام موسیٰ بن جعفر کا کام گوشہ نشینی اور عزلت گزینی نہیں تھا بلکہ وہ حقیقتاً امام وقت تھے اور امامؑ نظام اسلام کا ذمہ دار ہوتا ہے اور وہ اپنے امکان بھر قیام اسلام کے لیے جہاد کرتا رہتا ہے۔ اب اس جہاد مسلسل کا آخری نتیجہ کب ظاہر ہو گا اور واقعی نظام عدل و انصاف کب قائم ہو گا اس کا علم پروردگار کو ہے۔

خدایا! ہم ایک ایسی حکومت کے طلب گار ہیں جس سے اسلام کو سرفرازی نصیب ہو اور نفاق کو ذلّت۔ ہم تیرے دین کی دعوت دیں اور تیری راہ کی قیادت کریں اور اس طرح دنیا اور آخرت کی کرامت اور عزت حاصل کر سکیں۔!

والسلام علیٰ من اتبع الہدیٰ

جہاد باللسان

ائمہ معصومینؑ کی زندگی سراپا جہاد ہے۔ انھوں نے ہر میدان زندگی میں جہاد کیا ہے اور ہر محاذ پر دین اسلام کے تحفظ کے لیے قربانیاں دی ہیں۔ راہ خدا میں گلا کٹوانا، جام شہادت نوش کرلینا اور قیدخانوں میں زندگی بسر کرنا یہ سب جہاد کی مختلف قسمیں ہیں ــــ لیکن ان سب مجاہدات کے ساتھ جہاد باللسان کا سلسلہ بھی جاری رہا اور حسب امکان مخالفین حق وحقانیت کو زیر کرکے دین اسلام اور حقائق مذہب کا تحفظ کرتے رہے۔

امام موسیٰ کاظمؑ کی زندگی کا ایک بڑا حصہ قیدخانوں میں گذرا ہے ــ لیکن اس کے باوجود جب بھی موقع ملا ہے آپ نے اسلامی حقائق کو بے نقاب کرنے اور دشمنان حق وحقیقت کو خاموش کرنے میں کسی طرح کی کوتاہی نہیں کی ہے۔

تاریخ اسلام میں آپ کے مختلف مباحثات ومناظرات کا ذکر موجود ہے جن سے آپ کے علمی جہاد اور تحفظ دین کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

۱۔ نفیع انصاری نے آپ کو ہارون رشید کے دربار میں داخل ہوتے اور حاجب و دربان کو آپ کی غیر معمولی عزت کرتے دیکھ کر نہایت ہی معاندانہ لہجہ میں سوال کیا کہ یہ کون بزرگ ہیں؟

اس نے کہا آپ نہیں پہچانتے ہیں۔ یہ آل ابوطالب کے بزرگ اور موسیٰ بن جعفرؑ ہیں۔

نفیع نے اہل دربار کو سرزنش کرنا شروع کردی کہ یہ لوگ ایسے شخص کو اس قدر اہمیت دیتے ہیں جو کسی وقت بھی تخت وتاج پر قبضہ کرسکتا ہے۔ یہ باہر نکلے گا تو میں اسے ضرور شرمندہ کروں گا۔

عبدالعزیز نے منع کیا کہ آپ ایسا ارادہ نہ کریں یہ اہلبیت رسولؐ ہیں اور جو ان سے مقابلہ کرتا ہے وہ ضرور رسوا ہوتا ہے۔ لیکن نفیع نے ایک نہ سُنی اور جب آپ باہر تشریف لائے تو راستہ روک کر کہا کہ آپ کون ہیں؟

آپ نے فرمایا کہ نسب کے بارے میں پوچھتے ہو تو حضرت محمد مصطفےٰؐ، حبیب خدا حضرت اسماعیل ذبیح اللہ، حضرت ابراہیم خلیل اللہ کا فرزند ہوں، وطن کے بارے میں پوچھتے ہو تو وہاں کا ہوں جس کا حج تمام مسلمانوں پر واجب ہے اور تم بھی مسلمان ہو تو تم پر بھی واجب ہے۔ مقابلہ کرنا چاہتے ہو تو یاد رکھو کہ میدان جنگ میں ہماری قوم کے مشرکوں نے تمھاری قوم کے مسلمانوں کو اپنے برابر کا نہیں سمجھا تھا اور میدان میں صاف کہہ دیا تھا کہ ہمارے برابر کے افراد کو ہمارے مقابلہ کے لیے بھیجو ــ نفیع یہ سُن کر بے حد شرمندہ ہوا اور راستہ چھوڑ کر الگ کھڑا ہوگیا ــ (نزہتہ الناظر ص ۴۵)

۲۔ ہارون رشید نے ابویوسف کی قابلیت کو دیکھ کر انھیں حکم دیا کہ امام سے سخت ترین سوالات کریں تاکہ آپ جواب نہ دے سکیں تو مجمع عام میں آپ کی سُبکی ہوجائے۔ ابویوسف نے آپ سے دریافت کیا کہ حالت احرام میں سایہ کرنے کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟ ــ فرمایا کہ حرام ہے ــ سوال کیا کہ اگر کوئی شخص خیمہ کے اندر چلا جائے تو کیا حکم ہے ــ؟ فرمایا یہ حلال ہے ــ عرض کی کہ دونوں میں فرق کیا ہے؟

فرمایا کہ حالت حیض میں عورت نماز اور روزہ دونوں چھوڑ دیتی ہے اور اس کے بعد روزہ کی قضا واجب ہوتی ہے اور نماز کی قضا واجب نہیں ہوتی ہے۔ تو ان دونوں میں کیا فرق ہے؟

ابویوسف نے کہا کہ یہ حکم خدا ہے ــــ فرمایا کہ وہ بھی حکم خدا ہے ــ چنانچہ ابویوسف شرمندہ ہوکر خاموش ہوگیا ــ (مناقب)

۳۔ ابوحنیفہ نے امام صادقؑ کی خدمت میں شکایت کی کہ آپ کے فرزند ایسی جگہ پر نماز پڑھ رہے تھے جہاں سامنے سے لوگ گذر رہے تھے تو آپ نے سکوت اختیار فرمایا، اتنے میں امام موسیٰ بن جعفرؑ آگئے تو فرمایا کہ فرزند! ابوحنیفہ کو یہ شکایت ہے ــ فرمایا کہ میرا خدا گذرنے والوں سے زیادہ مجھ سے قریب تر ہے۔ لہذا کوئی میرے اور اس کے درمیان حائل نہیں ہوسکتا ہے۔

ابوحنیفہ یہ سُن کر خاموش ہوگئے اور حضرت نے اپنے فرزند کو گلے سے لگالیا۔ فرزند اے خزینہ اسرار الٰہی! میں تیرے قربان! ــ (بحار ج ۱۲ ص ۹۲)

۴۔ علماء یہود کا ایک وفد امام جعفر صادقؑ کی خدمت میں حاضر ہوا اور سوال کیا کہ نبوت حضرت محمدؐ کی دلیل کیا ہے؟ ــ آپ نے فرمایا کتاب اللہ اور وہ تمام احکام حلال وحرام، جو

پروردگار نے آپ کو عطا فرمائے ہیں۔

ان لوگوں نے کہا کہ اس کی دلیل کیا ہے کہ آپ جو فرما رہے ہیں وہ صحیح ہے؟

اتفاق سے امام موسیٰ بن جعفرؑ کمسنی کے عالم میں محفل میں موجود تھے آپ نے فوراً فرمایا کہ اس کی دلیل کیا ہے کہ تم لوگ جو کچھ حضرت موسیٰ کے بارے میں کہتے ہو وہ سب صحیح ہے۔؟

ان لوگوں نے کہا کہ ان باتوں کو صادقین نے نقل کیا ہے۔

فرمایا کہ یہی کیفیت پیغمبر اسلامؐ کے کرامات کی ہے کہ ان کی گواہی بھی ایک ایسے بچے نے دی ہے جو بغیر تعلیم و تعلم کے تمہارے سامنے اتمام حجت کر رہا ہے۔ علماء یہود یہ سن کر قانع ہوگئے اور مشرف بہ اسلام ہوگئے۔ امامؑ نے اپنے فرزند کی پیشانی کا بوسہ دیا اور فرمایا کہ بے شک تم میرے بعد حق کے امین اور دین کے ذمہ دار ہو۔ (بحار ج ۴ ص ۱۴۸)

۵۔ بریہہ عیسائیوں کا ایک بہت بڑا عالم تھا اور ہمیشہ حق کی جستجو میں رہا کرتا تھا یہاں تک کہ کسی نے ہشام بن الحکم کا ذکر کیا تو وہ ان کے پاس سو علماء نصاریٰ کے ساتھ حاضر ہوا اور مختلف مسائل علم کلام پر گفتگو کی۔ اس کے بعد امام صادقؑ کی خدمت میں حاضری دی۔ وہاں امام موسیٰ کاظمؑ سے ملاقات ہوگئی۔ ہشام نے اپنی گفتگو کی داستان سنائی۔ آپ نے بریہہ سے خطاب کرکے فرمایا تمہارا اپنی کتاب کے بارے میں کیا اندازہ ہے؟ عرض کی کہ میں اس کا عالم ہوں۔

فرمایا تمھیں اس کی تاویل پر کتنا اعتبار ہے؟

عرض کی مکمل اعتبار ہے۔

یہ سن کر آپ نے انجیل کے فقرات کی تلاوت شروع کر دی اور بریہہ حیرت سے دیکھتا رہا یہاں تک کہ آپ کی عظمت کا اقرار کرتے ہوئے کہنے لگا کہ میں تقریباً ۵۰ سال سے ایسے ہی عالم کی تلاش میں تھا اور یہ کہہ کر مشرف بہ اسلام ہوگیا۔

اس کے بعد امام صادقؑ کی خدمت میں حاضری دی۔ ہشام نے پورا واقعہ بیان کیا۔ آپ نے فرمایا کہ یہ کمالات ذریت در ذریت چل رہے ہیں۔ بریہہ نے امام صادقؑ سے پوچھا کہ آپ حضرات کو توریت و انجیل کا علم کہاں سے حاصل ہوگیا؟

فرمایا کہ یہ ہمارے پاس صاحبان کتاب کی وراثت ہے۔ ہم لوگ اسی طرح تلاوت کرتے

ہیں جس طرح خود وہ لوگ کیا کرتے تھے۔ پروردگار کسی ایسے کو حجت نہیں قرار دیتا جو کسی مسئلہ میں ناواقفیت کا اعلان کر دے۔

بریہہ حضرت کی گفتگو سن کر بے حد متاثر ہوا اور آپ کے اصحاب میں داخل ہوگیا۔ آپ کے بعد امام موسیٰ کاظمؑ کی خدمت میں رہا اور آپ ہی کے دورِ حیات میں انتقال کیا۔

(بحار ج ۴ ص ۱۴۷)

۶۔ راہب نصرانی: شام کا رہنے والا ایک راہب نصرانی تھا جو اپنی قوم میں بے حد احترام کا مالک تھا اور سال میں ایک دفعہ قوم کے سامنے آتا تھا اور لوگ اس کی زیارت کے لیے جمع ہوتے۔ اتفاق سے اسی موقع پر امام کاظم علیہ السلام نے بھی اس سے ملاقات کی اور اس نے امام کو دیکھا تو فی الفور متوجہ ہوگیا۔

کیا آپ مرد مسافر ہیں؟

فرمایا بے شک!

ہماری قوم سے ہیں یا ہمارے خلاف؟

فرمایا تمہاری قوم سے نہیں ہوں۔

کیا امت مرحومہ سے تعلق رکھتے ہیں؟

فرمایا بے شک!

اس کے علماء میں ہیں یا جہلاء میں؟

فرمایا جہلاء میں سے نہیں ہوں۔

یہ بتائیے کہ درخت طوبیٰ کی اصل آپ کے نزدیک حضرت محمدؐ کے گھر میں ہے اور ہمارے نزدیک حضرت عیسیٰ کے گھر میں ہے اور اس کی شاخیں ہر گھر میں ہیں۔ ایسا کیونکر ہو سکتا ہے؟

فرمایا، درخت طوبیٰ کی مثال آفتاب جیسی ہے جو اپنی منزل پر رہتا ہے۔ لیکن اس کی شعاعیں ہر جگہ موجود رہتی ہیں۔

یہ بتائیے کہ جنت کی غذائیں کھانے سے کیوں کر کم نہ ہوں گی؟

فرمایا، اس کی مثال چراغ جیسی ہے کہ اس سے بے شمار چراغ جلا لیے جاتے ہیں تو

بھی روشنی میں کمی نہیں ہوتی ہے۔

جنت میں ایک طویل سایہ ہے وہ کیا ہے؟

فرمایا، طلوع آفتاب سے پہلے کا وقت ظلِّ ممدود کہا جاتا ہے۔

اہل جنت غذائیں استعمال کریں گے تو بول و براز کی احتیاج کیوں کر نہ ہوگی؟

فرمایا ان کا حساب شکم مادر میں بچہ جیسا ہے۔

جنت کے خدام بغیر امر و حکم کس طرح خدمت انجام دیں گے؟

فرمایا، انسان کسی چیز کا مشتاق ہوگا تو اس کے اثرات ظاہر ہوجائیں گے اور خدام اس کی تعمیل کے لیے تیار رہیں گے۔

جنت کی کنجی سونے کی ہے یا چاندی کی؟

فرمایا، جنت کی کنجی لا الٰہ الا اللہ ہے۔

آپ نے بالکل صحیح فرمایا ــ یہ کہہ کر اپنی قوم کے ساتھ مشرف بہ اسلام ہوگیا۔

(مناقب ـ حیاۃ الامام موسیٰ بن جعفرؑ)

یاد رہے کہ ایسا ہی ایک واقعہ امام محمد باقر علیہ السلام کے حالات کے ذیل میں بھی نقل کیا گیا ہے اور یہ کوئی حیرت انگیز بات نہیں ہے۔ ائمہ معصومین علیہم السلام میں سب کا قول و عمل یکساں اور متحد ہوتا ہے، ان کے اول و آخر کے بیان میں کوئی فرق نہیں ہوتا ہے۔

اصحاب و تلامذہ

۱۔ حماد بن عیسیٰ

انھوں نے امام سجادؑ سے امام جوادؑ تک کا دَور دیکھا ہے اور اصحاب اجماع میں شمار ہوتے ہیں۔ نقل روایات میں اس قدر محتاط تھے کہ امام صادقؑ سے نقل ہونے والی صرف ستّر روایات کو اخذ کیا اور ان میں سے بھی چھان پھٹک کے بعد صرف بیس کو اختیار کیا جس میں کسی طرح کے نقص و تغییر کا امکان نہیں تھا۔

امام کاظمؑ سے دعائے خیر کی التماس کی تو آپ نے مکان، زوجہ، فرزند، خادم اور پچاس

سال تک حج کی دعا دے دی اور امامؑ کی دعا کی برکت سے تمام نعمتیں حاصل ہوگئیں۔ لیکن پچاس حج کے بعد پھر حج کا ارادہ کیا تو غسل احرام کرتے وقت سیلاب کی نذر ہوگئے اور غریق جحفہ کا لقب پاگئے۔

۲۔ ابو عبداللہ عبدالرحمان بن الحجاج البجلی الکوفی

صفوان بن یحییٰ کے استاد تھے اور امام صادقؑ و کاظمؑ کے اصحاب میں شمار ہوتے تھے۔ ایک عرصہ کے بعد راہ حق کی طرف آئے اور امام رضاؑ سے بھی ملاقات کی اور اسی زمانہ میں انتقال بھی فرمایا۔ امام علی رضاؑ نے انھیں جنّت کی بشارت دی ہے اور امام صادقؑ ان سے فرمایا کرتے تھے کہ اہل مدینہ سے مناظرہ کرو، مجھے اپنے اصحاب میں تم جیسے افراد کی ضرورت ہے۔

ابوالحسن کی طرف سے یہ روایت بھی نقل کی گئی ہے کہ آپ نے عبدالرحمان کے بارے میں فرمایا کہ وہ دل پر گراں تھے لیکن اس کا مفہوم علماء نے یہ بیان کیا ہے کہ وہ دشمنوں کے دل پر گراں تھے یا میرے دل میں گراں قدر تھے یا اس اعتبار سے گراں تھے کہ ان کا نام عبدالرحمان تھا اور ان کے باپ کا نام حجاج تھا اور صاحبانِ ایمان کے دلوں پر یہ دونوں نام گراں ہیں۔ جیسا کہ سبط ابن جوزی نے نقل کیا ہے کہ عبداللہ بن جعفر نے اپنے ایک فرزند کا نام معاویہ رکھ دیا تھا تو سارے بنی ہاشم نے ان سے ترک تکلم کر دیا کہ بنی ہاشم اس نام کو مصلحت کے طور پر بھی برداشت نہیں کر سکتے تھے۔

۳۔ عبداللہ بن جُندب بَجلی کوفی

اصحاب امام کاظمؑ و امام رضاؑ میں ثقہ جلیل القدر تھے اور حضرت کے وکیل بھی تھے۔ امام رضاؑ نے انھیں خدا و رسولؐ کے راضی ہونے کی ضمانت دی تھی اور انھیں جنت کی بشارت بھی دی تھی۔

انھیں کے بارے میں یہ مشہور روایت ہے کہ میدان عرفات میں زار و قطار رو رہے تھے تو ابراہیم بن ہاشم نے کہا کہ میں نے اس شان کا وقوف تو کبھی نہیں دیکھا۔ تو فرمایا کہ خدا کی قسم میں نے اپنے حق میں کوئی دعا نہیں کی ہے اور ہر دُعا برادرانِ ایمانی کے حق میں کی ہے کہ امام موسیٰ کاظمؑ نے فرمایا ہے کہ جو شخص برادرانِ ایمانی کے حق میں دُعا کرتا ہے رب کریم کی طرف سے

عرش اعظم سے آواز آتی ہے کہ تجھے اس کا ایک لاکھ گنا دیا جائے گا ——— تو میں نے نہیں چاہا کہ قدرت کی طرف سے ایک لاکھ گنا کا انکار کر دوں اور اپنی گناہ گار زبان سے اپنے حق میں صرف ایک دُعا کروں جس کے قبول ہونے کی بھی کوئی ضمانت نہیں ہے۔

انھیں عبداللہ بن جندب نے ایک مرتبہ امام رضاؑ کو خط لکھا کہ میں ضعیف العمر ہو گیا ہوں، لہٰذا ایسا کوئی ورد تعلیم دیں کہ میرے علم و فہم میں اضافہ ہو جائے اور وہ میرے لیے سبب تقرب الٰہی ہو۔ تو آپ نے فرمایا کہ بکثرت یہ ورد پڑھا کرو، "بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، ولاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم"۔

۴۔ ابو محمد عبداللہ بن المغیرہ بجلیؒ کوفی

فقہاء اصحاب میں مرد ثقہ تھے اور دین و ورع میں بے مثل و بے نظیر تھے۔ اصحاب اجماع میں شمار ہوتے تھے اور تقریباً تیس کتابوں کے مصنف تھے۔ ان کا اپنا بیان ہے کہ میں واقفیہ فرقہ سے تعلق رکھتا تھا۔ اتفاق سے حج کے لیے گیا تو دیوار کعبہ سے لپٹ کر گریہ کر کے دعا کی کہ خدایا مجھے صحیح دین کی ہدایت فرما تو اچانک یہ خیال پیدا ہوا کہ امام رضاؑ سے ملاقات کروں۔ چنانچہ حج کے بعد مدینہ گیا اور حضرت کے در دولت پر حاضر ہو کر اطلاع بھجوائی کہ ایک شخص عراق سے ملنے کے لیے آیا ہے۔ ایک مرتبہ اندر سے آواز آئی کہ عبداللہ بن مغیرہ آجاؤ۔ میں حیرت زدہ رہ گیا اور میں نے فوراً حضرت کی امامت کا کلمہ پڑھ لیا۔ پھر آپ نے فرمایا کہ جاؤ تمھاری دعا مستجاب ہو گئی، تو مجھے حضرت کی امامت کا مزید یقین کامل ہو گیا اور الحمدللہ کہ اسی عقیدہ پر قائم ہوں۔

۵۔ عبداللہ بن یحییٰ الکاہلی الکوفی

یہ اور ان کے بھائی اسحاق دونوں امام صادقؑ اور امام کاظمؑ کے راویوں میں شمار ہوتے ہیں اور امام کاظمؑ ان پر خصوصی عنایت فرمایا کرتے تھے۔ یہاں تک کہ علی بن یقطین کو نصیحت فرمائی تھی کہ کاہلی کا خاص خیال رکھنا اور اسی بنا پر وہ ان کے تمام مصارف کی کفالت کیا کرتے تھے اور سارے خاندان کا خرچ چلایا کرتے تھے یہاں تک کہ ایک مرتبہ حج کے بعد امام کاظمؑ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے فرمایا کہ عبداللہ! اب خیر زیادہ کرو کہ تمھارا وقت موت قریب آگیا ہے۔ عبداللہ نے رونا شروع کر دیا۔ فرمایا گریہ مت کرو، تمھارا شمار میرے شیعوں میں ہے اور تمھاری عاقبت بخیر ہے۔ یہ سن کر

عبداللہ مسرور ہو گئے اور چند دنوں کے بعد انتقال کر گئے۔

۶۔ علی بن یقطین

اصلاً کوفہ کے رہنے والے تھے۔ لیکن قیام بغداد میں تھا۔ اجلاءِ اصحاب امام کاظمؑ میں تھے اور حضرت کی خصوصی عنایات کا مرکز تھے۔ ۱۲۴ھ میں کوفہ میں پیدا ہوئے جس کے بعد ان کے والد مروان الحمار کے خوف سے وطن چھوڑ فرار کر گئے اور والدہ نے بھی مدینہ میں قیام کر لیا یہاں تک کہ مروان الحمار قتل ہو گیا اور بنی عباس کی حکومت قائم ہوئی تو دونوں ظاہر ہوئے اور علی بن یقطین کے والد نے ۱۸۵ھ میں انتقال کیا اور علی بن یقطین امام کاظمؑ کی خدمت میں حاضر رہے یہاں تک کہ حضرت نے جہنم سے نجات کی ضمانت عطا فرمائی اور حضرت کے حکم سے بادشاہ کے وزیر مقرر ہو گئے۔ امام صادقؑ نے بھی بچپنے ہی میں انھیں دعائے خیر سے نوازا تھا اور علی بن یقطین نہایت درجہ صاحب خیرات تھے یہاں تک کہ ایک سال میں ایک سو پچاس افراد کو اپنی طرف سے حج کرنے کے لیے روانہ کیا۔

علی بن یقطین کے واقعات دورِ وزارت شہرۂ آفاق ہیں۔ امام کاظمؑ ان پر اس قدر مہربان تھے کہ ایک مرتبہ ابراہیم جمال سے ملاقات نہیں کی تو حضرت نے مدینہ میں ان سے ملاقات کرنے سے انکار کر دیا اور فرمایا کہ ابراہیم کو راضی کرو اور پھر باعجاز ایک رات میں انھیں مدینہ سے کوفہ پہونچایا اور انھوں نے ابراہیم سے معافی مانگی اور پھر واپس حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے۔

علی بن یقطین نے ۱۸۰ھ میں اس وقت انتقال کیا جب امام موسیٰ کاظمؑ قید خانہ میں تھے۔ بعض حضرات نے سنہ وفات ۱۸۲ھ قرار دیا ہے۔

۷۔ مفضل بن عمر کوفی جعفی

شیخ نجاشی اور علامہ نے ان کے بارے میں شکوک و شبہات کا اظہار کیا ہے لیکن دیگر علماء رجال نے تعریف اور توثیق کی ہے اور نقل کیا ہے کہ امام صادقؑ اور امام کاظمؑ کے وکلاء میں تھے اور امام صادقؑ نے ان کے پاس ایک رقم رکھوا دی تھی کہ اس کے ذریعہ اصحاب کے درمیان کوئی اختلاف ہو جائے تو صلح کرائیں اور محمد بن سنان کی روایت ہے کہ امام کاظمؑ نے فرمایا کہ جس طرح مفضل میرے لیے باعث انس و راحت ہیں اسی طرح تم حضرت رضاؑ اور جوادؑ کے لیے باعث انس و راحت ہو گے۔ عبداللہ بن فضل ہاشمی راوی ہیں کہ میں امام صادقؑ کی خدمت میں تھا کہ مفضل بن عمر وارد ہو گئے۔ حضرت نے خندہ پیشانی کے ساتھ ان کا استقبال کیا

اور فرمایا کہ خدا کی قسم میں تمھیں دوست رکھتا ہوں اور اے کاش کہ میرے کل اصحاب اتنے ہی صاحب معرفت ہوتے جتنے تم ہو۔ مفضل نے عرض کی مولا! اتنا بلند نہ کیجیے۔ فرمایا کہ میں نے تمھیں تمھارا مقام دیا ہے۔ عرض کی تو پھر جابر بن یزید کا کیا مقام ہوگا؟ فرمایا کہ جس طرح رسول اکرمؐ کے لیے سلمان فارسی تھے۔ عرض کی اور داؤد بن کثیر رقی؟ فرمایا کہ جس طرح مقداد بن الاسود تھے۔

اس کے بعد عبداللہ سے فرمایا کہ رب العالمین نے ہماری ارواح کو اپنے نور عظمت سے پیدا کیا ہے اور تمھاری ارواح کو ہماری ارواح سے۔ میرے پاس میرے تمام شیعوں کی فہرست موجود ہے مشرق و مغرب مل کر بھی نہ ایک فرد کا اضافہ کرسکتے ہیں اور نہ کمی۔ عبداللہ نے فہرست کا اشتیاق ظاہر کیا تو آپ نے صحیفہ نکال کر دکھلا دیا اور عبداللہ نے آخر میں اپنا نام دیکھ کر سجدہ شکر ادا کیا۔

۸۔ ابو محمد ہشام بن الحکم

کوفہ میں پیدا ہوئے۔ واسط میں پلے بڑھے اور آخر میں بغداد میں مقیم ہوگئے۔ وہیں ان کی تجارت کا سلسلہ تھا۔ اصحاب امام صادقؑ و امام کاظمؑ میں شمار ہوتے ہیں اور نہایت درجہ کے ذکی اور ہوشمند تھے۔ علم کلام اور مناظرہ میں اپنا جواب نہیں رکھتے تھے۔ ۱۷۹ھ میں کوفہ میں انتقال فرمایا تو امام رضاؑ نے ان کے حق میں دعائے رحمت فرمائی اور امام جوادؑ کے سامنے ان کا ذکر کیا گیا تو آپ نے فرمایا کہ خدا ان پر رحمت نازل کرے وہ ہم اہلبیتؑ کے حق سے بہترین دفاع کرنے والے تھے۔

عمیر بن یزید راوی ہیں کہ ہشام ابتدا میں جہمی مذہب کے قائل تھے۔ ایک مرتبہ امام صادقؑ سے مناظرہ کی خواہش کی تو میں نے حضرت سے وقت لیا۔ ہشام حاضر ہوئے تو آپ نے ایک سوال کر دیا جس کا جواب نہ دے سکے اور چند روز کے بعد جواب لے کر آئے تو آپ نے دوسرا سوال کر دیا۔ پھر چند روز تک جواب تلاش کرتے رہے اور اب جو تیسری مرتبہ آئے تو حضرت کی ہیبت سے کلام کرنے کی ہمت نہ پڑی اور اسے توفیق پروردگار قرار دے کر ایمان لے آئے اور امام صادقؑ کی خدمت میں اس قدر ترقی کی کہ آپ نے حمران بن اعین، قیس، یونس بن یعقوب اور مومن طاق کی موجودگی میں انھیں صدر مجلس میں جگہ دی اور فرمایا "ھذا ناصرنا بقلبہ ولسانہ" اور پھر ہشام کو مناظرہ میں اتنا کامل بنا دیا کہ کوئی شخص بھی انھیں شکست نہیں دے سکتا تھا۔ یہ ان کے دفاعِ حقِ اہلبیتؑ کا اثر تھا کہ ہارون نے ان کی گرفتاری کا حکم دے دیا اور وہ روپوش ہوگئے یہاں تک کہ ان کے گھر والوں کو گرفتار کر لیا گیا۔ اس اثنا میں جب وقتِ وفات قریب آیا تو

بشیر سے فرمایا کہ میرے مرنے کے بعد مجھے غسل و کفن دے کر جنازہ کو کناسہ میں رکھ دینا اور ایک پرچہ لکھ دینا کہ یہ ہشام کا جنازہ ہے جس نے حکومت کے خوف سے انتقال کیا ہے تاکہ حکومت کو میرے مرنے کا یقین ہو جائے اور میرے گھر والے رہا ہو جائیں۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا اور متعدد لوگوں کی شہادت کے بعد ان کے اہل خانہ کو رہا کر دیا گیا کہ اب حکومت کو ہشام کے خطرہ سے نجات مل گئی ہے۔

۹۔ یونس بن عبدالرحمان

ہشام بن عبدالملک کے زمانہ میں پیدا ہوئے۔ امام باقرؑ اور امام صادقؑ کی بھی زیارت کی ہے لیکن روایت کا شرف امام کاظمؑ سے حاصل کیا ہے۔ اصحاب اجماع میں بھی شمار ہوتے ہیں اور امام رضاؑ لوگوں کو مسائل میں ان کی طرف رجوع کرنے کا حکم دیا کرتے تھے۔ انھوں نے ایک کتاب "یوم ولیلہ" بھی لکھی ہے جسے امام عسکریؑ کی خدمت میں پیش کیا گیا تو آپ نے اول سے آخر تک پڑھ کر فرمایا کہ یہی میرا اور میرے آبا و اجداد کا دین ہے۔ یونس نے ۲۰۸ھ میں انتقال فرمایا اور امام رضاؑ نے تین مرتبہ انھیں جنت کی بشارت دی تھی اور انھیں مثل سلمان قرار دیا تھا کہ انھوں نے فرقہ واقفیہ کا شدت سے مقابلہ کیا اور لوگوں کو امام رضاؑ کی امامت کی طرف دعوت دی ورنہ بہت سے لوگوں نے امام کاظمؑ کے بعد امامت کے سلسلہ کو روک دیا تھا اور امام رضاؑ کی امامت کا انکار کرکے امام کاظمؑ کے سارے اموال اور حقوق پر قبضہ کر لیا تھا۔

۱۰۔ یونس بن یعقوب البجلی الدّہنی

حضرت معاویہ بن عمار کے بھانجے تھے۔ ابتدا میں غالباً عبداللہ افطح کی امامت کے قائل تھے بعد میں امام کاظمؑ کی طرف رجوع کیا اور معتبر ترین اصحاب امامؑ میں شامل ہو گئے یہاں تک کہ آپ کے وکیل بھی ہو گئے۔ امام رضاؑ کے زمانے میں مدینہ میں انتقال فرمایا تو حضرت نے تجہیز و تکفین کا مکمل انتظام فرمایا اور تمام لوگوں کو جنازہ میں شرکت کا حکم دیا اور بقیع میں قبر کا انتظام فرمایا جس پر بعض لوگوں نے اعتراض کیا کہ یہ عراقی تھے۔ تو آپ نے فرمایا کہ ہمارے چاہنے والے تھے لہذا اگر انھیں بقیع میں جگہ نہ دی گئی تو ہم بھی اپنے جنازے وہاں دفن نہ کریں گے۔ جس کے بعد انھیں قبر کی جگہ دی گئی اور حضرت نے متولی قبرستان کو ۴۰ دن قبر پر پانی چھڑکنے کا حکم دیا کہ یونس خدا کی نگاہ میں اس قدر عزیز ہیں کہ اس نے انھیں عراق سے جوارِ پیغمبرؐ تک پہنچا دیا ہے۔ والسّلام علی من اتبع الھدیٰ۔